

جناب سے، اچھا ہائے کو اس کام کے انجام دینے میں مولوی محمد یحییٰ صاحب اسسٹنٹ مولوی مدرسہ کلکتہ نے بہت کافایتی مدد دی ہے، اس لیے حدیثوں پر آخر میں جو اشارات ہیں، قابل اعتماد ہو سکتے ہیں،

الہدٰی کیر یا یہ المظہیر سورہ نور میں ایک آیت ہے۔

انما یرید اللہ لیذہب عنکم الرجس اہل بیت اے گھر والو، خدا کا ارادہ یہ ہے کہ تم سے نجاست دور کرے و بیطہر کدہ قطع ہو، اور تم کو پاک کرے،

شیعی حضرات کے نزدیک اس آیت میں اہمات مسلمین کا ذکر نہیں ہے، بلکہ صرف آل عبا کا نام اہل بیت ہے خان بہادر مولوی بھگت حسین صاحب گوپاموی مدرسی نے اس رسالہ میں ثابت کیا ہے کہ اہل بیت اہمات مسلمین میں خوشی کی بات یہ ہے کہ یہ کتاب اگرچہ مناظرانہ انداز میں ہے، مگر تہذیب، شائستگی اور مدارات کو ہاتھ سے نہیں جانے دیا ہے، مصنف سے نرمل کھڑی مدراس سے ملے گی،

فطرت اطفال، فطرت اطفال کر سچین ڈی لارسن کی ایک قابل قدر کتاب دی سائنٹفک

ٹرنینگ آف دی چلڈرن کا اردو ترجمہ ہے، جس میں مولوی حامد حسن صاحب قادری بچپن یونی نے اردو کا بابا پسنایا اس کتاب میں بتایا گیا ہے کہ ہر شخص میں ایک فطری رجحان اور خاص قسم کی دماغی استعداد ہوتی ہے، اور اس استعداد کا کافی بھانکار کھتے ہوئے بچوں کی تربیت کا اصول بتایا گیا ہے، کتاب اس قابل ہے کہ والدین اور معلم اطفال کے پاس ہو، پتہ: مسلم ایجوکیشنل کانفرنس، سلطان جہان منزل علی گڑھ

توحید فی الاسلام، اس کتاب میں جناب خواجہ کمال الدین صاحب نے اسلامی عقیدہ توحید

کی تشریح کی ہے، اور اس کے ساتھ ساتھ یہ بتایا ہے کہ اس عقیدہ کا تہذیب، تمدن، معاشرت، اور اخلاق پر کیا اثر پڑتا ہے، خواجہ صاحب کی کتاب میں جس خاص انداز کی ہوتی ہیں وہ انداز اس کتاب میں بہت نمایاں ہے، اور عقیدت کا پہلو صوفیہ پر غالب ہے، قیمت؟ پتہ مسلم بک سوسائٹی عزیز منزل لاہور،

جلد نو زدہم

ماہ رمضان ۱۳۷۵ھ مطابق ماہ مارچ ۱۹۵۶ء

عدد سوم

مضامین

۱۶۴-۱۶۲	سید سلیمان ندوی،	شذرات
۱۶۵-۱۶۸	مولانا سید مناظر حسین صاحب گیلانی شیخ الحدیث جامعہ عثمانیہ	علامہ سید مرتضیٰ زبیدی
۱۸۵-۱۶۶	پروفیسر معتمدولی الرحمن صاحب ایم اے، جامعہ عثمانیہ	نفیاتی شناخت
۱۹۵-۱۸۷	جناب تمکین صاحب کانہی	گلبرگہ اور اس کا نواح
۲۰۲-۱۱۵۶	شمس العلامہ ڈاکٹر ہدایت حسین صاحب، کلکتہ، مترجم بچپن یونی	علم الاطراف
۲۱۰-۱۳۳	مولوی شاہ معین الدین صاحب ندوی رفیق دارالافتاء	حضرت
۲۱۴-۲۱۱	مولوی ضیاء الدین احمد صاحب برنی بی لے بی	غالب و صہبائی کے خطوط
۲۱۹-۲۱۵	من	کیا عمر خیاں ایک افسانہ ہے
۲۲۳-۲۱۹	من	مسلمانانِ روس
۲۲۴-۲۲۴	من	اجار علیہ
۲۲۰-۲۲۸	پروفیسر محمد اکبر فیضان کالج	سرحد بشر
۲۳۱-۲۲۰	جناب علیل صاحب قذافی بی لے (علیگ)	حسرت موہانی
-۲۲۲	جناب ارمان صاحب شاہ آبادی	قطر تاریخ وفات شاہ عظیم آبادی
۲۲۵-۲۲۲	من	بزاز الساری فی اطراف البخاری
۲۲۴-۲۲۵	من	نیم عرقان
۲۲۰-۲۲۸	من	مطبوعات جدیدہ

شکستہ

یہ رمضان کا ماہ مبارک ہے، معارف کا پہلا پرچہ ۱۳۳۲ھ کے اسی مہینہ میں نکلا تھا، اور اس وقت ماہ رمضان انگریزی ۱۹۱۱ء کے جولائی مہینہ کے مطابق تھا، اور اب وہی رمضان ۱۳۳۲ھ میں ہیکر مارچ کے مطابق ہو گیا ہے، ۱۲۶ برسوں میں چار مہینوں کا فرق دونوں سنوں میں پیدا ہو گیا، جو لوگ سنیت و حساب و اوقات میں وہ تو جانتے ہیں، لیکن بعض ناظرین جو ان مسائل سے واقف نہیں، انہیں اس کی خبر نہیں کہ ہجری سنہ چاند کی رفتار سے ۱۱۱۱ عیسوی سنہ سورج کی رفتار سے شمار کیا جاتا ہے، دونوں کے سال کے درمیان دس دن کا فرق رہتا ہے، یعنی سورج کا سال، چاند کے سال سے تقریباً دس دن زیادہ ہوتا ہے، شمسی سال ۳۶۵ (اور کس قدر کسر) کا اور قمری ۳۵۴ دن (اور کچھ کسر) کا ہوتا ہے، اس طرح تین سال میں ان دونوں سنوں کے درمیان ایک مہینہ کا فرق ہو جاتا ہے،



ناظرین گہرا غور کیجئے کہ اس دقیق فنی حساب کا شذرات اور معارف سے کیا تعلق ہے؟ کہیں یہ روزوں کی بدحواسی کا نتیجہ تو نہیں ہے، مگر حقیقت میں دوسروں ہی کی بدحواسی کو دور کرنا ہے، عموماً دور رسالے اپنی لوح (ٹائٹل) پر انگریزی ہیٹے لکھتے ہیں، اور مذہبی پرچے صرف عربی ہیٹے لکھتے ہیں، اسلئے یہ دونوں شمسی اور قمری شہرہ سنین کے جھگڑوں سے الگ ہیں، اور نہ انہیں کسی اس تطبیق مقول و منقول کی ضرورت پیش آتی ہے، لیکن ہمارا قدم جدید و قدیم کے درمیان ہے، عربی قمری ہیٹے چھوڑ کر ہم اپنے قومی و مذہبی روایات سے الگ ہونا گوارا نہیں کر سکتے، اور اسی طرح انگریزی شمسی سال کی وجہ سے قمری سال کے متبادل تین سال میں ایک مہینہ کی کفایت ہوتی ہے، اسکو چھوڑنا بھی قرین عقل نہیں، اس بنا پر معارف کی لوح قمری عربی شمسی انگریزی دونوں ہیٹے اور سنہ لکھے جاتے ہیں، مگر قابل عام اور لوگوں کے حسابات کی وجہ سے وہ کھلتا شمسی مہینہ کے مطابق ہوا، اس کے حسابات بھی اسی سنہ سے رہتے ہیں، اس کا نتیجہ یہ ہے کہ تین سال میں ایک انگریزی مہینہ کم ہو جاتا ہے، اور یا یوں کہیں کہ ایک قمری مہینہ بڑھ جاتا ہے، اس تطابق کی کنتی کو سنہ لانے کے لیے پہلے یہ کیا جاتا تھا

کہ تین سال کے بعد ایک قمری مہینہ کا نام چھوڑ دیا جاتا تھا، اس سے بعض خریداروں میں یہ بدحواسی چھاتی تھی کہ ایک مہینہ کا پرچہ غائب ہو گیا ہے، اور اس کے تقاضے کے لیے غلط آتے تھے، تب یہ کیا گیا ہے کہ قمری مہینہ نہیں چھوڑا جاتا، بلکہ تین سال کے بعد ایک شمسی مہینہ کے ساتھ دو قمری مہینے ایک ساتھ لکھ دیے جاتے ہیں، جیسا کہ جنوری ۱۳۳۲ھ کے پرچہ پر جادہی انشائیہ اور جب دونوں لکھ دیے گئے ہیں، اس سے پرچہ کے غائب ہونے کی شکایات تو رفع ہو گئیں، لیکن یہ شکایت پیدا ہو گئی کہ ۱۶۰ کے بجائے ۱۵۰ صفحے کے ایک ہی نمبر میں دو نمبر کھپا دیے گئے، حالانکہ ان دونوں میں سے کوئی واقعہ نہیں، یہ ظاہر مثنوی کے قریب اصطلاحی اختلافات ہیں، جبکہ پرچہ پر اسکی فحاشی پر اس کے شمسی نمبروں پر اس کے حسابات پر کوئی اثر نہیں پڑتا، اس لیے ہے کہ ہمارے بعض ناواقف احباب اس نکتہ کو سمجھ گئے ہوں گے،

ارکان دارالین کی تعداد بھگت سنگھ ایک مہینہ میں بہت کچھ بڑھی، حیدرآباد سے ہماری توقع بہت کچھ پوری ہوئی اور اس میں وہاں سے ۵۵ نئے ممبروں کا اضافہ ہوا، کچھ بنگال سے بھی آئے، کچھ بہار سے بڑھے، کچھ یونی کو بھی شرم آئی، مگر پنجاب ہندو پنی زندگی کے ثبوت میں پس و پیش کر رہا ہے، حیدرآباد میں تحریک کی کامیابی، نواب صدر یا جنگ شروانی، اور پروفیسر عبدالباقی ندوی کی کوششوں کی رہن ہے، اب مارچ کی ۱۳ تاریخ تک صوبہ دار فہرست حسب ذیل ہے جن میں حیدرآباد نے اپنی جگہ حاصل کر لی

صوبہ بہار ۶۰، حیدرآباد دکن ۶۹، صوبہ متحدہ ۲۲، پنجاب ۱۱، بمبئی ۹، بنگال ۸، سرحدی ۵، دہلی ۵،

صوبہ متوسط ۵، مدراس ۴، برما ۴، سنگاپور ۳، بھوپال ۲،

اردو کتابوں کی اشاعت کی کمی کے اسباب اور بہت کچھ ہو گئے، لیکن ایک بڑی وجہ یہ بھی ہے کہ وہ ذریعہ تعلیم نہیں اس لحاظ سے تعلیم یافتہ اور اصحاب علم جنگو آپ کہہ سکتے ہیں، وہ ہی ہیں جنہوں نے انگریزی کی تعلیم پائی ہے، یا عربی پر بھی، انگریزی تعلیم یافتہ اصحاب اردو کی اشاعتوں (مکتب رسائل اور اخبارات) کو قابل التفات نہیں سمجھتے اور غیر لاطینی حروف میں ان کے نزدیک پڑھنے کی کوئی چیز نہیں ہوتی، اور انہیں اس پر فخر ہے، عربی خوان اصحاب اور علماء زمانہ تعلیم کے علاوہ مطلقاً

کتاب کے فوائد کے مطلق قائل نہیں اور اس زمانہ میں بھی نصاب تعلیم سے باہر کی کسی چیز پر نگاہ ڈالنا گویا مکمل غرض بصر کے خلاف ہے پڑھ کر نکلے تو پھر کسی چیز کے پڑھنے کی انکو ضرورت نہیں اگر کسی ضرورت بھی ہوئی تو فتنہ قادی کی چند عربی کتابوں کی جنہیں اردو و اقل نہیں ہے کہ اس میں علم کی کوئی بات ہو کیونکر سکتی ہے اب بتائیے کہ پڑھے لکھے لوگوں میں سے کون طبقہ اردو کتابوں کو خریدے اور پڑھے



ماہم انگریزی دان طبقہ کے کچھ خاکسار و متواضع لوگ ایسے ہیں جو گریجویٹ نہیں ہو سکے یا مولویوں میں کچھ ہیں جن کے سر پر دستار فضیلت نہیں یا وہ مولوی ہو کر پھری ہو گئے ہیں یا محمولی اردو فارسی خوان ہیں یہی بچارہ طبقہ ہے جسکو اردو سے علاحدہ کر دی ہے اور وہی اردو شاعروں کے تمام بار کاٹھل ہے ایسی حالت میں اس زبان کی تالیفات رسائل اور اجازت کی قتب شاعت کی کیا شکایت کیجائے جب تک ہم کو اپنی زبان کی تصنیفات رسائل کے پڑھنے کا شوق نہ ہوگا ہماری دارالاشاعتوں کے کھگال پن اور اردو میں بلند کتابوں کے قحط کا یہی حال ہے گا



اردو انسائیکلو پیڈیا کے متعلق متعدد اصحاب کے خطوط موصول ہوئے ہیں جنہیں سے ہر ایک میں انکی ضرورت کا اصرار کیا گیا ہے اور کام کے شروع کرنے کے متعلق مختلف تجویزین پیش کی گئی ہیں اور اس خیال کو مناسب سمجھا گیا ہے کہ ذاتی چند کے بجائے یا کمپنی بنا کر حصص کے طریق پر کام کیا جائے یا صرحت یہ کیا جائے کہ پانچ ہزار خریداروں کے نام رجسٹر ہو جائیں جو اسکی ہر جلد کی خریداری کی اطلاع دیدیں پہلی تجویز قاضی نجم الدین احمد صاحب میرٹھ نے اردو سری مولوی محمد عبدالعزیز صاحب (تھیلڈار بمبئی) نے پیش کی ہے



صورت کی بات ہے کہ مولویوں کی جنس حکومتوں نے دیسی زبانوں کی طرف توجہ شروع کی ہے مولوی مسدودین ہندوستانی ایکادیمی کے نام سے ایک سرکاری مجلس ادب اردو ہندی کی ترقی کے لیے قائم ہوئی ہے مولوی کے خزانہ سے

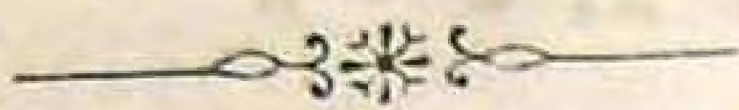
پچاس ہزار سالانہ اس کے لیے منظور ہوئے ہیں اور کان کے نام منتخب ہو کر انکا گزٹ بھی ہو چکا ہے مگر چند مہینوں کے بعد بھی ممبروں کے اجتماع ہوا اور کسی علی تجویز کا ذکر سننے میں نہیں آیا ہے دوسری طرف ہمارے خزانے میں اردو کی وزارت تعلیم نے بھی اپنے مولویوں میں اردو ہندی کی ترقی کے مسئلہ پر غور کرنے کے لیے چند اصحاب مولویوں کے باہر سے اور چند اصحاب کا خود مولویوں کے اندر سے انتخاب کیا ہے ان اشخاص کی مجلس مولوی ہمار میں اردو زبان کی ترقی اور اس کے نصاب تعلیم وغیرہ پر غور کرے گی مجلس تو ختم ہو چکی نتائج سے واقفیت نہیں اتنا سنا ہے کہ نوین جماعت تک طلبہ کو اردو ہندی پڑھنا بھی لازمی کیا گیا ہے اور یہ بھی تسلیم کر لیا گیا ہے کہ اردو اور ہندی اصل میں ایک ہی زبان ہے ان میں فرق صرف رسم الخط کا ہے اور یہ بھی تجویز ہے کہ یہاں بھی ایک اردو ہندی ایکادیمی کی بنیاد ڈالی جائے



مگر اس مولوی کے اردو بولنے والے مسلمانوں کا اصلی مطالبہ یہ تھا کہ یہاں کی عدالتیں اردو خط تسلیم کریں مولوی نہیں نے اسے متعلق کیا فیصلہ کیا مولوی سر فخر الدین صاحب وزیر تعلیمات ہمارے یہ توقع ہے کہ اس مجلس کی دعوت اور اتفاق سے انکا مقصد مولویوں میں اردو کی مطالبہ کرنے والی جماعت کی محض زبان ہندی نہ ہوگا بلکہ واقعی کوئی کام مد نظر ہوگا ہم مولویوں کے کام کرنے والے اشخاص کی خدمت میں بھی عرض کرینگے کہ وہ محض کی شخصیت سے اچھے کے لیے نہ اچھیں بلکہ اپنے فرض کے طور پر اور اپنے مولوی کی مادری زبان کی حقیقی خدمت کے لیے اچھیں اور اردو کی ظاہری اور معنوی دونوں خدمات انجام دین پورے مولویوں میں اردو کا اور اردو کتب خانے قائم کریں صحیح اردو کو دلچسپی دینے کے لیے تمام مدرسوں اسکولوں اور کالجوں میں اردو انجمنیں قائم کی جائیں جنہیں طلبہ کو صحیح اردو دیکھنے اور بولنے کی مشق کرائی جائے

ہندوستان کا مولوی گجرات جس کے نام کو بحیثیت مولوی کے بلندی نے جھین لیا ہے کسی زمانہ میں وہ مسلمانوں کے علوم و فنون کا بڑا مرکز تھا اس کا بانی تخت احمد آباد کسی علمائے فضلہ و صوفیہ اور مشائخ کا مسکن تھا اور بڑے بڑے کتب خانوں کا بھی مقام تھا ظم تو اب وہاں نہیں رہا مگر چند کتب خانے البتہ وہاں یادگار رہ گئے ہیں جنکی زیارت کا شرف بھلا اللہ کہ حاصل ہو چکا ہے انہیں میں سے ایک حضرت پیر محمد شاہ کی درگاہ کا کتب خانہ بھی ہے حضرت محمد شاہ بارہویں صدی ہجری کے بزرگ ہیں یہاں پور

کی تبلیغی انجمنوں کا ایک متحدہ جلسہ ہونے والا ہے، افسوس کہ اسکی صدرات کی ذمہ داری کا مین اپنی مشغولیت اور خرابی صحت کے باعث متحمل نہ ہو سکا، اور اس خوش آئند جنبش و حرکت کو اپنی آنکھوں سے نہ دیکھ سکو تھا، تاہم معلوم ہوا ہے کہ چارٹرڈ داسامین بارہ سو کے قریب مکتب قائم ہو چکے ہیں۔



خاص بنگال میں بھی ہر قسم کی ترقیوں کی امنگ مسلمانوں کے سینوں میں پیدا ہو رہی ہے، اور دو کی بہت سی علمی تاریخی اور مذہبی کتابوں کے بنگالی میں ترجمہ ہو چکے ہیں اور جو ہے مین، مینہ سے محمد منجور الدین (منظور الدین) صاحب نے لکھے ہیں کہ مولانا شبلی مرحوم کی تصانیف میں سے اورنگ زیب عالمگیر الغزالی اور الاماموں کے ترجمہ کا آغاز کیا گیا ہے اور اسی کے ساتھ یہ بھی اطلاع دی کہ وہاں سیرج سنگھ نام ایک مجلس اس غرض سے قائم کی گئی ہے کہ وہ بنگالی میں اسلامی کتب و رسائل کی تائیف و ترجمہ و اشاعت کا کام انجام دے۔



برودان (بنگال) سے ایم سن صاحب بنگال کے متعلق اور بہت سی خوشخبریاں سناتے ہیں جن میں سے ایک یہ ہے کہ ہمارے فاضل دوست مولانا اکرم خاں صاحب نے سیرۃ نبوی پر بنگالی میں مصطفیٰ جبریت ایک کتاب لکھی ہے جو وہاں بے حد مقبول ہوئی ہے، اسی کے ساتھ ایک اور دل خوش کن خبر یہ ہے کہ مسلمان بنگالیوں نے بھی بنگالی زبان پر قبضہ مالک بنانا شروع کر دیا، بنگال میں ایک نوجوان سلمان شاعر قاضی نذرا الاسلام بڑی شہرت پا رہا ہے، اسکے شاعرانہ کلام نے بنگال کے سب سے بڑے جادوگر و گرامر و ناٹھ نیگور کو بھی مسحور کر دیا ہے، اور اس کے اعتراض میں نیگور نے اپنی ایک کتاب شہادت (درااما) قاضی نذرا الاسلام کے نذر کی ہے، یعنی ان کے نام سے اسکو معنون کیا ہے، ہمارا بنگالی نامہ نویس نہایت جوش سے اس خطا میں لکھتا ہے کہ:

”بفضل خدا آج کل بنگلہ زبان میں مسلمان لوگ بہت ترقی کرتے جاتے ہیں“



دکن سے احمد آباد و گجرات اگر متقیم ہوئے تھے اور وہیں کی جلیق مجیدین محکم ہو کر تمام عمر گزار دی، وہ شاعر بھی تھے اور اقدس شخص کرتے ان کی وفات کے بعد حسب دستور زمانہ ان کے مہر و ن اور مستقدون نے انکا یہ حقیر فقیر کیا جو اب درگاہ پیر محمد شاہ کے نام سے موسوم ہے۔



اس درگاہ میں ایک گنج خانہ بھی ہے جس میں نے دیکھا تھا تو وہ کوئی بھی حالت میں نہ تھا، لیکن اب بہین ہمارا دیکھنے والا ہے، اگر آتی ہو تو احمد آباد کے کوئی وفادار دوست کے پروفیسر مولانا سید ابوظہر صاحب ندوی کے خط سے یہ معلوم ہو کر خوشی ہوئی کہ چند سال سے اسکی طرفان کے مسلمانوں کو خاص فوجی اور مولانا بھی اسکی زنی میں حصہ لے رہے ہیں اور اسکی جلیق فہرست تیار کر رہے ہیں، اسکے لیے سنی بوسروں کی ایک مشترکہ جماعت قائم ہو گئی ہے بعض دوسرے سنج کے کتب خانے بھی اس میں شامل کئے جا رہے ہیں، ان میں خریدی بھی جاری ہیں بعض لوگوں نے خریدی ہے بکھاتے ہیں، اور چار سال سے ایک ہزار سال کتابوں کی خریداری پر صرف یک جا رہا ہے، اس میں اب سیکورڈن تسلیمی گندین جمع ہو گئی ہیں جن میں سے بعض نوادر میں شمار ہونے کے لائق ہیں، ان میں سے گیارہویں صدی تک کا ذخیرہ بہت کثرت ہے اور ساتویں صدی کا کثر بعض خود مصنف کے ہاتھ کی کتابیں بھی ہیں، مثلاً امام شافعی اور نظام خیا پوری کے ہاتھ کی لکھی ہوئی کتابیں، اور دین نجم الدین آبرو، اور عبدالحی تہا بان کے دیوان بھی وہاں ہاتھ آئے ہیں، بارہویں صدی کا نسخہ ہے، مولانا اور ارکان کی یہ کوششیں جو کہ گجرات کا تمام اندوختہ مکتب اس میں جمع کر آئے اور اس صوبہ کا یہ بہترین علمی مرکز بن جائے، اور یہ کچھ مشکل نہیں،



بنگال کی علیٰ جمیع چیز سے ساکن اور غیر متلاطم تھی، اگرچہ گنگا اور جہنا کے دریا کا پانی یا کرس میں ملا ہے، اس میں جوش اور تلاطم پیدا ہو گیا ہے، بنگال ہندو مسلم اتحاد کے خلاف فرقہ دارانہ جذبات کی نمائش سے ہمیشہ پاک رہا، اور کسی وہاں کا فساد حکایت سے آگے نہیں بڑھا، مگر گنگا اور جہنا کی دلیوں سے شدھی اور سنگٹھن کا جوش ابل کر جس سے دور دور کے صوبوں میں پہنچا ہوا ہے، بھی فتنوں کا دروازہ کھل گیا ہے، اور کئی دفعہ ہندو مسلمانوں میں خون آشام تھکرے پیش آچکے ہیں مگر حقیقت یہ کہ بنگال کے مسلمانوں کو بھیجھوٹے کے لیے قدرت نے یہ سامان پیدا کر دیا ہے، چنانچہ ان ہنگاموں نے مسلمانوں میں حرکت پیدا کر دی ہے اور صوبہ کے اندر تک یہ حرکت پیدا ہو گئی، اور اس کے متصل صوبہ آسام بھی اس سے متاثر ہوا، ہمارا پریل میں پورے آسام

مقالہ

علامہ سید مرتضیٰ زبیدی،

بلگرام کا ایک مینی محدث بصری صوفی

اسکی ایک کتاب،

(۲)

از مولانا سید مناظر احسن صاحب گیلانی شیخ الحدیث جامعہ عثمانیہ حیدرآباد دکن

کتاب النسخۃ السید | ان ہی کتابوں میں سے آپکی ایک کتاب النسخۃ القدوسیہ واسطۃ البصیرۃ العید روسیہ ہے۔
واسطۃ البصیرۃ العید روسیہ

حس کا ترجمہ شائع کیا جاتا ہے، سید علامہ کے پیر و شیخ حضرت سیدنا عبد الرحمن بن مصطفیٰ حیدر روسی حضرت رحمۃ اللہ علیہ ایک مجمع السلاسل بزرگ تھے، تقریباً اکثر شائع و ذائع بلکہ بعض نا در طریقوں کی آپ کو اجازت تھی، سید علامہ نے ان تمام طریقوں کی اجازت و سند شیخ قدس سرہ سے حاصل کی تھی۔ خیال ہوتا ہے کہ ابتداً سید علامہ کو یہ خیال گذرا کہ ان تمام طریقوں کو ایک جگہ جمع کر دوں، لیکن اس کے بعد آپ نے اس خیال کو ایک مستقل تصنیف کی شکل میں بدل دیا جو طریقے شیخ سے پہنچے تھے، ان کے سوا اور بھی کتابوں میں آپ کو جو طریقے نظر آئے، سب ہی کو لے لیا، اور حروف تہجی کی ترتیب سے ان کی ایک فہرست تیار کی، درحقیقت اس کتاب کا اصلی موضوع یہی ہے، جو بجائے خود ایک اہم علمی و دینی خدمت ہے، کیونکہ صوفیاء کے حالات و طرق کے متعلق جو کتابیں مرتب ہوئی ہیں، عموماً ان کا تعلق کسی خاص طریقہ یا خاص ملک، خاص شہر کے اولیاء اللہ سے ہے، جبکہ عام اثر یہ ہے کہ مصر کے مسلمان

نہیں جانتے کہ ہندوستان میں کن کن بزرگوں کا سلسلہ پھیلا ہوا ہے، ہندوستانی یہ نہیں جانتے کہ عرب میں ارشاد و سلوک کے کتنے طریقے مروج ہیں، اور اسکی وجہ سے بسا اوقات ایک ملک کے مسلمان دوسرے ملک کے بزرگوں سے نفع اٹھانے میں کوتاہی کرتے ہیں، حالانکہ اسلام ایک ہے، مقصد ایک ہے، پھر اس میں بھی اس قسم کی تنگ نظریوں سے اگر کام لیا گیا، تو اس کا انجام بجز محرومی کے اور کیا ہو سکتا ہے، سید علامہ نے بڑا کام کیا کہ چند مختصر و قون میں ساری دنیائے اسلام کے ارباب باطن صلیحی و اولیاء رضوان اللہ علیہم اجمعین کے طریقوں کو قلم بند کر دیا ہے، غالباً یہ کتاب ایسی حادی ہے کہ عرب، عجم، مصر، مراکش، تونس، ہندوستان، الغرض کسی اسلامی ملک کا کوئی ایسا مشہور و معروف معتبر طریقہ نہیں ہے جسکو چھوڑ دیا گیا ہو، اس کے پڑھنے سے ارباب ذوق کے علم میں بہت کچھ اضافہ کی امید ہے اور یہ تو اصل مقصد ہے، لیکن اس کے ماسوا ضمنی اور ذیلی طور پر سید علامہ نے مختلف مقامات پر ایسی قیمتی باتیں درج کی ہیں، جنکا ایک جگہ ملنا دشوار تھا، اگرچہ ان باتوں کا تفصیلی علم تو کتاب کے پڑھنے سے ہو سکتا ہے، لیکن چونکہ اس میں زیادہ تر سندوں کا ذکر ہے، جسکے پڑھنے میں ممکن ہے کہ عام لوگوں کو دلچسپی نہ ہو، اس سے چند اہم باتوں کا ذکر اختصار کے ساتھ بیان کیا جاتا ہے۔

۱۔ سید علامہ نے شروع میں ایک مقدمہ لکھا ہے، اس میں یہ بتایا ہے کہ صوفیہ کے اس کثرت طریقہ کے اسباب کیا ہیں، کیا ان کی سادگی اختلافات پر ہے، لوگ اسکی کوشش کیوں کرتے ہیں کہ جہان تک ممکن ہو مختلف طریقوں کی اون کو اجازت حاصل ہو، اس اکثر کا کیا نفع ہے اور سب سے اہم بحث "خرقہ" کی ہے، سید علامہ چونکہ صوفی ہونے کے ساتھ محدث بھی ہیں، اسلئے محدثانہ طور پر آپ نے اس پر بحث کی ہے، جو غالباً اس کتاب کے سوا دوسری کتاب میں نہیں مل سکتی، اس کے بعد تعلقین ذکر کے متعلق بھی ایک مفصل محققانہ بیان درج ہے، جس سے نہ صرف صوفی کی، بلکہ محدثین علماء کی بھی راہنمائی ہوتی ہے، ۲۔ اس کتاب کے دیکھنے والوں کو یہ بھی معلوم ہوگا کہ فقر و طریقت کے سلسلے علاوہ حضرت علی کرم اللہ

اور وہ پڑھنے کے قابل ہے۔

۷۔ ایک عجیب بات اس کتاب میں یہ بھی ہے کہ خلفائے عباسیہ جس طرح بیعت بمع و طاعت و خلافت لیتے تھے، اسی طرح وہ بیعت، طریقت و ارادت بھی لیتے تھے، لفظ "عباسیہ" کے تحت میں انکی پوری سند درج ہے۔

۸۔ امام سخون، معلم افریقہ مدون مذہب مالکیہ کے ایک شاگرد ابو عقال کی طرف ایک طریقہ منسوب ہے، جسکو افریقہ میں مدولہ کہتے ہیں، سید علامہ نے ان کے ذکر میں "مذہب" کی نہایت تحقیق و وضاحت کی ہے، جسکو "مذہب فقرائے" کے "مقرر و وصول" میں شیعہ ہے، ان کو خاص طور پر یہ بحث پر مبنی ہے۔

۹۔ اس زمانہ میں ایک عام خیال یہ بھی پھیلا ہوا ہے کہ صوفیوں نے مسلمانوں کے جذبہ شجاعت کو پامال کر دیا، اور اس کے بعد مسلمانوں کی سیاسی قوت برباد ہو گئی، ایسے حضرات کے لئے مناسب ہوگا کہ لفظ "بکتاشیہ" کے ذیل میں جو کچھ لکھا ہوا ہے، پڑھیں، انکو معلوم ہوگا کہ مسلمانوں کی وہ مشہور و معروف "فوجی قوت" جس کا نام سنکر یورپ بھڑا جاتا تھا، یعنی ترکوں کی "پنجگڑھی فوج" ایک صوفی کی تربت کی ہوئی تھی، اور کیا معلوم کہ ہندوستان، ترکستان، افریقہ میں جو کچھ تھا، اس کا زیادہ تر قیام ان ہی نفوس طیبہ کے ساتھ وابستہ تھا، جسکی تفصیل کا یہ موقع نہیں، انشاء اللہ کسی مستقل تصنیف سے اس کو ظاہر کیا جائے گا،

۱۰۔ ہندوستان کے مسلمانوں کو جس طرح یہ سنکر خوشی ہوگی، کہ ان کا ایک ہم وطن جامع اتر کے شیوخ کا استاد ہو گیا تھا، اسی طرح وہ یہ سنکر بھی خوش ہونگے کہ ان ہی کے وطن کے ایک بزرگ شیخ تاج الدین زکریا ملتانی جو حضرت شیخ باقی بانہ نقشبندی کے خلیفہ تھے، انھوں نے بصرہ، ہمن احسا، نجد اور خود حجاز میں طریقہ نقشبندیہ کو پھیلا دیا، اور ان ممالک میں ان کے مریدوں کی ایک بڑی جماعت تھی سید علامہ نے لفظ تاجیہ کے ذیل میں ان کا ذکر کیا ہے۔

کے خلفائے شیعہ حضرت ابو بکر صدیق، حضرت عمر فاروق، حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے بھی جاری ہوئے ہیں، سید علامہ نے خاص خاص طریقوں کے ذیل میں ان کا ذکر کیا ہے، بلکہ بکریہ، فاروقیہ تو عنوان میں درج ہے، آدھیہ کے ذیل میں طریقہ فاروقیہ کا، اور مداریہ کے تحت میں آپ نے عثمانی سلسلہ کا بھی ذکر کیا ہے، اور یہی نہیں بلکہ بعض طریقے حضرت انس بن مالک خادم سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم، اور حضرت ابو دردا صحابی رضی اللہ تعالیٰ عنہ تک بھی منہی ہوتے ہیں، لفظ "درائیہ" کے تحت میں حضرت ابوالدرداء رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور ابوطالب کی رحمۃ اللہ علیہ کے طریقہ میں حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا ذکر فرمایا ہے۔

۱۱۔ علمائے ظاہر کو یہ دیکھ کر بھی تعجب ہوگا، کہ حافظ ابن حجر عسقلانی، شیخ الاسلام زکریا انصاری تاج الدین سبکی، شاگرد امام ذہبی، زین الدین عراقی، حافظ منغلطائی، جلال الدین سیوطی، کمال الدین بن ہمام امام الحرمین جیسے علمائے باجماع بھی یادگارہ فقر کے نیاز کشوں میں ہیں، باضابطہ بیعت، ذکر، ارادت سے مشرف ہیں، فاعتبر وایا اولی الا بصائر، اور ان کی عبرت کیلئے تو خود سید علامہ کا وجود بہت کافی ہے، ان میں کون ہے جو سید کے علمی و علمی مرتبت اور محدثانہ جلالت کا منکر ہو سکتا ہے، پھر یہ کیا تماشہ ہے کہ ایک محدث تیمم کے ایک درویش کی غلامی پر نازاں ہے، خاتمہ میں سید علامہ نے جو کچھ لکھا ہے اسکو پڑھنا چاہئے، ہم اس کتاب میں سید علامہ نے متفرق مقامات پر مختلف اولیاء اللہ کے متعلق لکھا ہے کہ انھوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے برای الامین ملاقات کی اجازت حاصل کی اسی طرح حضرت خضر و الیاس علیہما السلام کی ملاقات کا بھی ذکر ہے، خضر علیہ السلام کی حیات و ممات میں چونکہ علماء ظاہر کو احتمالات ہیں، اسلئے طریقہ خضر کے ذیل میں سید نے اس پر سیر کن بحث کی جو قابل دید ہے۔

۱۲۔ طریقہ محمدیہ کے ذیل میں ایک لطیف بیان اس مسئلہ کے متعلق درج ہے کہ کیا اب بھی کوئی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے براہ راست نفع اٹھا سکتا ہے، سید علامہ نے اسکی تدبیر بتائی ہے

۱۰۔ سید علامہ نے اس کتاب میں طریقہ قلندر کا خصوصیت کے ساتھ اور ذرا تفصیل سے ذکر کیا ہے اسی طرح "ملاقیہ" کے بیان میں بھی اس کا لحاظ رکھا ہے کہ ان پر جو اعتراض کیا جاتا ہے وہ شرعاً قابل لحاظ نہیں ہے اور یہ دونوں بحثیں دیکھنے کے قابل ہیں،

۱۱۔ نقشبندیہ طریقہ تعلیم و تربیت کے بیان میں بہ نسبت اور سلسلون کے سید علامہ نے بسط سے کام لیا ہے اور اتنا لکھا ہے کہ محض اس کتاب کی مدد سے آدمی اس طریقہ کے مشاغل کو حاصل کر کے کامیاب ہو سکتا ہے،

۱۲۔ ایک نئی چیز اس کتاب میں یہ بھی ہے کہ طریقہ نقشبندیہ کے ذیل میں سید علامہ نے ایک ایسے بزرگ کا تذکرہ کیا ہے جو کسریٰ نو شیروان کے خاندان سے تھا، ان کا نام نامی ابو علی احمد بن محمد قاسم بن منصور بن شہر یار رودباری ہے، اور ایسے تو متعدد بزرگوں کا ذکر ہے جو مختلف خاندان شاہی سے تعلق رکھتے تھے،

۱۳۔ لفظ "غازیہ" کے تحت میں سیدی احمد بن علی درعی سے یہ نقل کیا ہے کہ وہ فرماتے تھے،
"جس نے مجھے دیکھا یا میرے دیکھنے والے کو دیکھا وہ جہنم میں نہیں جاسکتا"

اور بعض دوسرے اہل اللہ سے بھی اس قسم کے الفاظ منقول ہیں، بظاہر یہ دعویٰ عجیب معلوم ہوتا ہے، لیکن اس کے بعد سید علامہ نے اس دعویٰ کی جو وجہ مسلسل سند سے نقل کی ہے اس سے راز واضح ہو جاتا ہے، سید نے اپنے پیر سے انھوں نے حسین بن عبد الرحیم سے انھوں نے ابوناصر سے، انھوں نے ابوسلم فشاخی سے مودہ سیدی احمد بن علی صاحب دعویٰ سے راوی ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے فرمایا کہ تار جہنم اس شخص کو نہیں چھو سکتی جس نے تہجد کو دیکھا یا تیرے دیکھنے والے کو دیکھا سیدی احمد کا بیان ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بات تین دفعہ ارشاد فرمائی، اس کے بعد اگر انھوں نے دنیا کو یہ بشارت دی تو پھر اس کے سوا چارہ کیا تھا، یہ تو

انچہ استاد ازل گفت ہمان می گویم

اور اس کے کہنے پر وہ مجبور تھے، ورنہ خود سیدی احمد کا جو حال تھا وہ اس سے ظاہر ہے کہ اس بشارت کو نقل فرماتے اور پھر کہتے کہ:-

خون کہی میرا بچا نہیں چھوڑ سکتا، اگرچہ میں جنت ہی میں کیوں نہ ہوں، فرض کرو کہ اس کے

بعد بھی اگر مجھ سے یہ کہا جائے کہ جنت سے نکل جا، تو میں کیا کر دوں گا، اور کیا بول سکتا ہوں؟

کیا اس کے بعد بھی ان بزرگوں کے اہلماہر واقعہ کو کوئی دعویٰ پر معمول کر سکتا ہے، باقی یہ امر کہ ان کو دیکھنے والا جنت کا کیوں مستحق ہو جاتا ہے، سید علامہ نے اسکی خود ہی توجیہ کی ہے، فرماتے ہیں:-

"آپ کا یہ فرمانا کہ میں جنت کا ضامن ہوں؟"

اس کا مطلب یہ ہے، میں اس بات کا ذمہ دار ہوں کہ ایسے شخص کی موت اور اس کا خاتمہ ایمان پر ہوگا اگر کوئی کو دیکھ کر احرون میں انقلاب پیدا ہو سکتا ہے، اگر سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی نظر اقدس عمر فاروق اعظم بنا سکتی ہے، تو حضور کے اتباع و خدام کی جنبہ نگاہ پڑی، ان میں کوئی ایسا ایمانی انقلاب پیدا ہو جائے کہ اس کے بعد ان سے اہل جنت کے افعال صادر ہوں تو اس پر لوگوں کو تعجب کیون ہے؟

۱۴۔ "خلوتیہ" کے تحت میں اشہبان آفندی قسطنطنیہ کا یہ عجیب واقعہ سید علامہ نے نقل کیا ہے کہ:-
"انھوں نے جنون کے رئیس سے یہ عہد لیا، کہ ان کے طریقہ والوں میں کسی کو جن اذیت نہ پہنچائیں اور ایسی کوئی کشتی ڈبوئی نہ جائے جس میں ان کے طریقہ کا کوئی آدمی سوار ہو، اور ان کے سلسلہ کے کسی آدمی پر قرض کا بوجھ نہ رہے، اور خلافت محمدیہ کا خاتمہ ایسے شخص پر ہو، جو آپس کے طریقہ میں داخل ہو"

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جنون کی بیعت لی، اور ان سے بعض معاہدات کئے، پس اتباع نبوی کا یہ کیا عجیب ثمرہ ہے، کہ انسان کامل ہو جاتا ہے، اور جو کامل ہوتا ہے نہ صرف نباتات

حوانات بلکہ جن تک اس کے زیر فرمان ہو جاتے ہیں اس سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ ان بزرگوں کے سلسلہ میں داخل ہونے کے بعد انسان کن دینی و دنیوی سعادتوں سے بہرہ یاب ہو سکتا ہے، کیا معلوم کہ خدا کے کس دوست نے اپنے مولیٰ سے کیا کیا وعدے کئے ہیں۔

۱۵۔ لفظ "قادر" کے تحت میں طریقہ قادیہ کی اس نماز کا بھی ذکر کیا ہے جو عام طور پر اس سلسلہ کے حضرات پڑھتے ہیں اور محدث علامہ نے اس پر کوئی تنقید نہیں کی ہے، دیکھنے والوں کو دیکھنا چاہئے۔
۱۶۔ طریقہ سیدی ابویعقوب کے ذیل میں سید علامہ نے قرآن سے خواب کی تعبیر نکالنے کا ایک عجیب کلیہ درج کیا ہے، جو قابل دید ہے، لوگوں کو اس کا تجربہ کرنا چاہئے،

۱۷۔ حسین بن منصور کا ذکر بھی اس کتاب میں ہے اور ان کے نام سے ایک خاص طریقہ "خطیب" منسوب ہے، سید علامہ نے لکھا ہے کہ:-

"خطیب بغدادی نے حسین کا وسیع تذکرہ کیا ہے"

آج خطیب کی کتاب ناپید ہے، در نہ دیکھا جاتا کہ بغداد کے اس خطیب نے بغداد کے اس بنام صوفی کا کیا حال لکھا ہے، ان لوگوں کو جو حسین منصور سے بہت برہم ہیں خطیب کی تاریخ تلاش کرنی چاہئے غالباً ان کو اپنے خیال میں ترمیم کرنی پڑے گی ورنہ اس سے پیشتر اگر حسن ظن سے کام لیا جاتا تو کیا یہ بہتر نہ تھا،

۱۸۔ اس کتاب میں اور بھی بعض نادر عجیب باتیں ہیں، مثلاً ابوسالم ابراہیم بن احمد زوادی

رحمۃ اللہ علیہ کی عمر ایک سو چھیتر سال لکھی ہے، اسی طرح لفظ وقایہ کے تحت میں حضرت محمد و قارح رحمۃ اللہ علیہ کے حالات لکھتے ہوئے سید علامہ نے لکھا ہے،

"آپ امی تھے لیکن اہل قوم میں آپ بحیثیت زباندانی کے بہت ممتاز تھے، آپ نے سات یا

دس سال کی عمر میں بہت سی تالیفیں کیں۔"

الغرض یہ کتاب اگرچہ بظاہر اسکا اولیاء اللہ کی ایک اجمالی فہرست ہے، لیکن بیچ بیچ میں ایسے عجیب غریب معلومات، مفید بیانات درج ہیں جو بہت سی کتابوں کے پڑھنے سے بھی میسر نہیں آ سکتے، سید علامہ نے اگرچہ التزام نہیں کیا ہے، تاہم بعض اہم طریقوں کے ذکر میں اس طریقہ کے اصول، فوائد، دستور کو نہایت جامع لفظوں میں لکھ جاتے ہیں، مشہور اکابر اولیاء اللہ کے بین وفات، مقام وفات، زندگی کے کسی اہم واقعہ کا بھی ضرور ذکر کرتے ہیں، آخر میں خاتمہ لکھا ہے، جو سلسلہ فقر و سلوک کی جان ہے، اور اگر انسان اسی کو اپنا دستور عمل بنائے تو وہ بہت کچھ ہو سکتا ہے،

"تصور شیخ پر سید علامہ کو بہت اصرار ہے، اور خاتمہ میں اس مسئلہ پر خاص طور سے زور دیا ہے،"

۱۹۔ طریقہ ہمدانیہ کے ذیل میں سید علامہ نے لکھا ہے، کہ اس طریقہ کے بانی سید علی ہمدانی کشمیری

اپنے مریدوں سے خاص خاص اوراد کا صحیح و عصر میں ذکر باجمہر کراتے تھے، شیخ الحدیث فی الدیار الہندیہ

صدر المدرسین دارالعلوم دیوبند استاد مولانا انور شاہ صاحب کشمیری سے میں نے یہ سنا ہے کہ اس

طریقہ سے ذکر کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے، اور جنہوں نے اسکو بدعت کہا ہے غلطی پر ہیں،

نیاز مند نے ہندوستانی مسلمانوں کے نفع کے لیے، قطب العصر الزمان، سید السادات یقینہ المکرام

البرہ غوث الانام، البدر النہام سیدنا و سیدنا مولانا الہام سید حبیب العیدروس الحسینی السرخسی الحضرمی نزہل

حیدر آباد دکن، متعنا اللہ و المسلمین بطول بقائہ کے اشارہ قدسیہ سے اس کتاب کا اردو میں ترجمہ کیا ہے

اور میری محنت کا اگرچہ یہ کافی صلہ ہے، کہ سید امام کے فرمان کی تعمیل ہو گئی، تاہم جن لوگوں کو اس کتاب سے

نفع پہنچے، ان سے توقع ہے، کہ اس عاصی و سیاہ کار کی مغفرت کی دعا فرمائیں گے، اللہ تعالیٰ ان تمام

بزرگوں کے توفیق میں جھکے اسکا گرامی کے لکھنے سے اس ترجمہ میں بندہ عاجز سعادت اندوز ہوا ہے، مجھ پر

رحم فرمائے، توفیق خیر عنایت فرمائے، اور میرا حشر ان ہی ابرار و اقیار کے ادنیٰ خدام میں کرے، سربینا

انھض لنأذنوبنا و کف عنا سیئات اعمالنا و تو فلاح الابرار،

نفیات شناخت

از

پروفیسر معتمد دلی الرحمن صاحب ایم اے، پٹنم نفسیات جامعہ عثمانیہ جدیدہ آباد دکن

کسی محفل یا مجلس میں داخل ہونے کے بعد حاضرین پر ایک متجسس نگاہ ڈالنا افراد انسانی کا خاصہ یا کم از کم ان کی عادت ہے، منجملہ اور غایات کے اسکی ایک غایت یہ ہوا کرتی ہے کہ کوئی ایسا فرد یا افراد معلوم کئے جائیں جنسے واقفیت ہے، فرض کیجئے کہ ہم اسی طرح کسی محفل میں داخل ہوتے ہیں اور (خوش سے) لاچار ہو کر تمام حاضرین کی شکون کا جائزہ لینے کے لیے ان پر نگاہ دوڑاتے ہیں، شروع میں جسطرح ہماری نگاہ جاتی ہے، سو اسے ناواقفوں کے اور کوئی نظر نہیں آتا، ہم کو ایک طرح کی بالوسی ہوتی ہے، ان کی شکلیں ہمارے لیے کسی قسم کی کوئی دلچسپی نہیں رکھتیں، لہذا ہم بہت دیر تک ان کی طرف توجہ بھی نہیں کرتے، لیکن اسی تلاش میں دور ایک کونے میں ہماری نگاہ ایک شخص پر جا کر پڑتی ہے، جو ہمارا واقف ہے، اس کی شکل دیکھتے ہی ہم اس کو شناخت کر لیتے ہیں، اس کے ساتھ ہی ہماری شعوری حالت میں ایک تغیر واقع ہوتا ہے، ہم کوشش کر کے اس کے پس جا کر بیٹھ جاتے ہیں اور باتیں کرنا شروع کرتے ہیں، اس تمام حالت پر غور کیا جائے تو سوال ہوتا ہے، کہ اس شناخت کے وقت ہمارے شعور کی کیا حالت تھی؟ دوسرے الفاظ میں یہ کہ شناخت کے عمل میں کون کون سے شعوری اعمال شامل تھے؟ اگر ہم اس وقت کی حالت کو ختم تصور کے سامنے لائیں، تو ہم نہایت آسانی سے شناخت کے شعوری اعمال معلوم کر سکتے ہیں، سب سے پہلے تو یہ کہ ہم اس محفل میں داخل ہو کر حاضرین کی شکون کو بغور دیکھتے ہیں، پہلے پہلے ہماری نگاہ ان اشخاص پر پڑتی ہے، جنکو ہم ناواقف کہتے ہیں، انھیں اس ناواقفیت کی وجہ سے انکی شکلیں ہم پر کوئی خاص اثر نہیں کرتیں، ان کے وجود کو ہم سمجھ برابر سمجھتے ہیں، ان کی طرف ہم بالکل اکتفا نہیں کرتے، لیکن اسی مجلس میں ہماری نگاہ ایک ایسے شخص پر پڑتی ہے جو ہمارا واقف ہے،

اس کو دیکھتے ہی ہمارے شعور میں انقلاب پیدا ہوتا ہے، اس کو دیکھنے سے قبل جو سلسلہ خیالات ذہن میں تھا وہ ایک بیک بدل جاتا ہے، مختلف باتیں ہمارے ذہن میں ہجوم کرتی ہیں، اسکو دیکھتے ہی پچھلی زندگی کا ایک خاص وقت اور خاص سماں ہماری آنکھوں کے سامنے چھڑ جاتا ہے، ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ہم نے کوئی گم شدہ چیز پائی، یہ ظاہر ہے، کہ اس شخص کے "بصری ادراک" کے بعد ان تمام خیالات و کوائف کا احیاء تلامذہ کا نتیجہ ہوتا ہے، اس کا مطلب یہ ہے کہ اس خاص مثال میں "شناختی شعور کی خصوصیت" یہ ہے کہ ایک شخص کے "بصری ارتسام" کے ساتھ خیالات و افکار کی ایک بڑی تعداد شامل ہے، اسی کو مطلبی زبان میں یون کہنا چاہئے کہ شناخت کی وجہ سے ایک بہت پیچیدہ ایک وقتی تلامذہ صورت پذیر ہوا۔

لیکن جو وقت یہ تلامذہ شکل پذیر ہوتا ہے، ٹھیک سی وقت ہمارے ذہن میں ایک اور تغیر واقع ہوتا ہے جب ہم اس محفل میں داخل ہوئے تھے اس وقت ہم حالت "بے ہنگمی" میں تھے، کوئی خاص خیال ہمارے ذہن میں نہ تھا، اس وقت کی کیفیت حسی بھی خوشگوار تھی، مگر ناگوار، اس واقعہ شخص کی شکل دیکھتے ہی ایک خاص قسم کا سکون یا اطمینان یا تسکین محسوس کرتے ہیں، "دریہ حالت ایک حد تک خوشگوار ہوتی ہے، دوسرے الفاظ میں ہماری حالت بے ہنگمی تبدیل بہ خوشگوار ہو جاتی ہے، ہم اس حالت خوشگوار کی مزید تشریح نہیں کر سکتے، ہم صرف اس قدر کہہ سکتے ہیں کہ جب ہم اس واقعہ شخص کو دیکھتے ہیں، تو ہم کو بے تکلفی کا سا احساس ہوتا ہے، ہم کو ایسا محسوس ہوتا ہے، کہ ہم اور یہ دونوں کسی وقت ساتھ تھے، اس حالت میں صرف خوشگوار اثر ہی نہیں ہوتا، بلکہ اس کے ساتھ ہی مختلف عضوی احساسات کا ایک مجموعہ بھی ہوتا ہے، جو جسم کی حالت سکون و آرام کا نتیجہ ہوتے ہیں، اس کا مطلب یہ ہے کہ ایک خوشگوار کیفیت "شناختی شعور کی دوسری خصوصیت" ہے، اب ان تمام مذکورہ بالا نتائج کو یکجا کر کے ہم اس نتیجہ پر پہنچتے ہیں کہ شناخت کی نفسی کیفیت تین اجزاء کا مجموعہ ہوتی ہے:-

(۱) ارتسام (۲) وہ خیالات و افکار جنکا اس ارتسام کی وجہ سے احیاء ہوتا ہے، اور (۳) بے تکلفی کے

احساس کی جذبہ کی کیفیت ان تینوں کے ملنے سے شناخت پیدا ہوتی ہے،

ہم نے ابھی کہا ہے کہ ایک خاص کو دیکھ کر ہمارے ذہن میں مخصوص خیالات کا تلام ہو جاتا ہے، سوال پیدا ہوتا ہے کہ ان خیالات کے احیاء کی علت کیا ہے؟ اس سوال کا جواب دینا ہمارے لیے کچھ دشوار نہیں ہم کو معلوم ہے کہ اگر دو یا زائد واقعات اشیا، یا خیالات، ایک ہی وقت ہمارے تجربے میں آتے ہیں، تو ان میں باہم اس قسم کا تعلق قائم ہو جاتا ہے کہ بعد میں کسی وقت ان میں سے ایک کے پیدا ہونے سے باقیوں کا بھی احیاء ہوتا ہے، اس تعلق کو نفسیات کی زبان میں تلازم کہتے ہیں، ہم دو آدمیوں کو ہمیشہ ایک دوسرے کے ساتھ دیکھتے ہیں اگر کسی وقت ان میں سے ایک ہمارے سامنے آئے تو ہم کو فوراً دوسرے کا خیال آ جاتا ہے، اس دوسرے شخص کے خیال کا ذہن میں پیدا ہونا نتیجہ ہوتا ہے اس تلازم کا جو ان دونوں میں ہمارے لیے پہلے قائم ہو چکا ہے، بعینہ یہی صورت شناخت میں ہوتی ہے، ایک خاص کا بصری ارتسام اور مختلف واقعات اور باتیں ایک ساتھ ہمارے تجربے میں آتے ہیں، لہذا ان میں بھی تلازم قائم ہو جانا یقینی ہے، اور اس تلازم کی وجہ سے جب کہیں اس شخص کا بصری ارتسام پیدا ہوتا ہے، یا عام الفاظ میں یوں کہیں کہ جب ہم اس کو دیکھتے ہیں، تو مٹا وہ تمام واقعات یاد آ جاتے ہیں جو اس کے متعلق ہیں، ان خیالات و واقعات کے احیاء کی بدولت ہم اپنے تمام ذہنی تجربے میں اس وقت کے بصری ارتسام کے خاص مقام کی تعیین کر سکتے ہیں، اس لحاظ سے ہم ان تمام خیالات کو استعارۃً مقامی علامت کہہ سکتے ہیں، پہلے ہم نے یہ بھی کہا ہے کہ ہر شناخت کے ساتھ بے تکلفی کی سی کیفیت ملے اگر ہم اپنی آنکھیں بند کر لیں اور کوئی شخص ہمارے ہاتھ کے دو مختلف مقامات پر کوئی چیز مثلاً انگلی رکھے، تو ہم کو دو مختلف احساسات کے حامل ہوتے ہیں، اور باوجود اس کے کہ ہماری آنکھیں بند ہیں، ہم ان کے صحیح مقام کو معلوم کر لیتے ہیں، یعنی یہ کہ ہم کو معلوم ہو جاتا ہے کہ یہ دونوں احساسات مختلف مقامات پر پیدا ہو رہے ہیں، ان کے مختلف مقامات کو صرف اس طرح معلوم کیا جاسکتا ہے کہ یہ دونوں احساسات کسی نقطہ سے مختلف ہوں، مقامات کا یہ فرق اس وقت بھی معلوم ہو جاتا ہے جب ان دونوں میں عجائبات، امتدادیت، یا بقا کے کوئی فرق نہیں ہوتا، یعنی یہ کہ اس حالت میں بھی ان میں کوئی ایسا فرق ہوتا ہے جو کہ ہم قیاسوں کو دیکھتے ہیں، لیکن بیان نہیں کر سکتے، اسی ناقابل بیان فرق کو پروفیسر ٹورنر نے مقامی علامت کہا ہے،

ہوتی ہے، یہ بے تکلفی کی کیفیت اور یہ مقامی علامت، دونوں ملکر مانوسیت کا احساس پیدا کرتے ہیں، یہی مانوسیت کا احساس شناخت کی گویا جان ہے، بعض معنفین تو شناخت اور مانوسیت کے احساس کو ہم جنمی سمجھتے ہیں، لیکن یہ خیال غلط ہے،

اس نام بحث کو جدید الفاظ میں اس طرح بیان کیا جاسکتا ہے: ہم ایک خاص وقت میں ایک خاص شخص کو دیکھتے ہیں اور اس وقت اس کے ماحول کے مطابق اس کے ساتھ سلوک کرتے ہیں، مثلاً اگر یہ شخص ہمارا ماتحت بننے والا ہے، تو ہم اس سے اس طرح پیش آتے ہیں جیسے کہ ایک افسر ایک ماتحت سے پیش آتا ہے، اگر یہ شخص ہمارا افسر بننے والا ہے، تو ہمارا رویہ بالکل مختلف ہوتا ہے، اگر یہ ہمارا ہمتیہ و ہمسر بننے والا ہے تو ہمارا سلوک جدا گانہ ہوتا ہے، مختصر یہ کہ ہم اس شخص کو دیکھ کر اس قسم کی وضع و حالت اختیار کرتے ہیں جو اس شخص کے حسب حال ہے، دوسرے الفاظ میں اگر ہم اس کو بھیج کمین، تو ہمارا یہ تمام سلوک و رویہ اس بھیج کا جواب ہے، لیکن ذرا ہی غور کرنے سے روشن ہو جاتا ہے، کہ صرف وہ شخص اس جواب کا بھیج نہیں بلکہ اصلی بھیج وہ ماحول ہے جس میں وہ شخص پایا جاتا ہے، اگر بہت رعایت کی جائے، تو کہا جاسکتا ہے کہ وہ شخص مہ اپنے ماحول کے اصلی بھیج ہے، اگر اس ماحول کو نظر انداز کر دیا جائے، تو اختلاف جواب ناقابل توجیہ رہ جاتا ہے، اب ہم ہی شخص کو بعد میں کہیں اور دیکھتے ہیں اس وقت بھی ہمارا سلوک اس کے ساتھ وہی ہوتا ہے جو پہلے موقع پر تھا، لیکن اس مساوات سلوک کے لیے لازمی ہے کہ ہم اس شخص کی شناخت کر لیں، کہ یہ پہلے کہیں ہم سے مل چکا ہے، یا بالعکس یوں کہیں کہ اس شخص کو شناخت کرنے کا مطلب یہ ہے کہ اس کو دیکھ کر ہماری طرف سے بعینہ وہی جواب ہو، جیسا کہ پہلے موقع پر ہوا تھا، اس شخص کو دیکھ کر جو جواب پہلی ملاقات میں ہم نے دیا تھا، اس میں اور اس دوسری ملاقات میں اس کے جواب میں فرق صرف اس قدر ہوتا ہے کہ پہلے موقع پر مانوسیت کا احساس نہیں ہوتا، اور دوسرے موقع پر یہ احساس شامل ہو جاتا ہے،

اس تمام حالت پر ایک دفعہ اور غائر نظر ڈالیں، ہم نے کہا ہے کہ بعد میں ہم اس شخص کو دیکھتے ہیں، اور

اس کے ساتھ بعینہ ویسا ہی سلوک کرتے ہیں، جیسا کہ گذشتہ موقع پر کیا تھا، ہم نے اس کو وہی شخص کہا ہے، لیکن یہ بات ہر ایک پر روشن ہے کہ اب یہ وہی شخص نہیں رہا، اس میں بہت سی تبدیلیاں ہو چکی ہیں، اور کچھ نہیں تو کم از کم اس کا ماحول ہی مختلف ہے، ہم پہلے یہ بھی کہہ چکے ہیں کہ ہمارا اس کے ساتھ ایک خاص سلوک نتیجہ تھا، اس ماحول کا جہین ہم نے اس کو پایا، لیکن طرفہ تماشایہ کہ باوصف اس کے کہ اس کا ماحول مختلف ہے، ہمارے سلوک میں کسی قسم کا فرق نہیں پڑتا، یعنی یہ کہ جب ہم اس شخص کی شناخت کر لیتے ہیں تو اختلاف ماحول کے ساتھ مساوی سلوک باقی رہتا ہے، یا یوں کہیے کہ سب سے پہلے موقع پر تو یہ نتیجہ تھا اس شخص اور اس کے ماحول کا، لیکن اب صرف وہ شخص اسی جواب کا باعث ہو رہا ہے جو اب چونکہ بالضرورت ماحول کے مطابق ہوتا ہے اور اس دوسرے موقع پر جواب میں کوئی تغیر واقع نہیں ہوتا، لہذا ہم یقین کے ساتھ کہہ سکتے ہیں کہ اس وقت ہم اس شخص کے غیر موجود اصلی ماحول کا جواب دیتے ہیں، اس غیر موجود ماحول کے جواب دینے کا ایک قسم کا تکلیف وہ اور بے آرام کن احساس ہی گویا مانوسیت کا احساس ہے، ہمارے اس بیان کی تصدیق ان حالات سے ہوتی ہے جن میں ہم ایک شخص کو دیکھتے ہیں اور مٹا ہمارے دل میں اس کی طرف سے برا خیال پیدا ہوتا ہے، اس سے خیال کی توجہ اس کے موجودہ افعال و اقوال سے نہیں ہو سکتی ہمارے دل میں ایک کرید لگ جاتی ہے، جو بہت تکلیف دہ ہوتی ہے، یعنی یہ کہ ہم میں ایک ایسے ماحول کا جواب دینے کا تکلیف وہ احساس پیدا ہوتا ہے جو موجود نہیں، ہماری یہ بے چینی اور بے اطمینانی اس وقت تک باقی رہتی ہے جب تک کہ ہم اس کے ماحول میں کوئی ایسی بات معلوم نہیں کر لیتے جو اس سے خیال کا باعث ہو، ظاہر ہے کہ اس قسم کے حالات میں ہمارا تمام بے چینی نتیجہ ہوتی ہے اس بات کا کہ ہم اس شخص کے اصلی گذشتہ ماحول کا انجان نہیں کر سکتے جب کسی طرف سے اس ماحول کا احیا کر لیتے ہیں تو یہ تمام بے چینی بھی رفع ہو جاتی ہے، شناخت کی ہر صورت میں ایسا ہی ہوا کرتا ہے، ہم ایک شخص کو دیکھتے ہیں اور ہم کو معلوم ہوتا ہے، یا ہم کو یاد پڑتا ہے کہ وہ ڈاک خانہ میں کلرک ہے، اس خیال کے آنے ہی ہم اس سے ایسا سلوک کرنے کی طرف مائل ہوتے ہیں، جو کلرکوں کے حسب حال

اور شایان شان ہے، حالانکہ اس وقت وہ ڈاک خانہ میں موجود نہیں یعنی یہ کہ اس وقت اس میں کوئی بات بھی ایسی نہیں جس سے مترشح ہوتا ہو کہ وہ کلرک ہو، یہاں بھی ہم دراصل ایک غیر موجود ماحول کا جواب دے رہے ہیں، مندرجہ بالا تقریر سے یہ واضح ہو جانا چاہیے کہ مانوسیت کا احساس شناخت کی جان ہے، اور یہ کہ یہ احساس اس وقت پیدا ہوتا ہے جب وہ چیز جس کی ہم شناخت کر رہے ہیں، اپنے اصلی ماحول میں نہیں بلکہ مختلف ماحول میں ہو، اگر ہم ایک چیز کو ہمیشہ ایک ہی ماحول میں دیکھتے ہیں تو چونکہ اصلی ماحول غیر موجود نہیں ہوتا، ایسے مانوسیت کا احساس بھی نہیں ہوتا، اور جب مانوسیت کا احساس نہیں تو گویا نخل شناخت کی جڑ کٹ گئی، لہذا شناخت غائب، مقتدرین کی زبان میں یوں کہیے کہ اس چیز کو دیکھنے سے ہماری ذہن میں خیالات کا احیا نہیں ہوتا اور اس بھری ارتسام کی وجہ سے کوئی ایک وقتی تاثر قائم نہیں ہوتا اور اس کے ساتھ ہی شناخت کی وہ شخص کیفیت جذبی بھی غائب ہو جاتی ہے، یعنی یہ کہ "معانی علامت" اور اس کے ساتھ بے تکلفی کا احساس غائب ہو جاتا ہے، اور یہی دونوں اجزاء ہوتے ہیں مانوسیت کے احساس کے، گویا ان کے غائب ہونے سے مانوسیت کا احساس ناپید ہو جاتا ہے، اور مانوسیت کے احساس کے ناپید ہو جانے سے شناخت مردہ ہو جاتی ہے، ہم اپنے لکھنے پڑھنے کی میز اور اپنی کسی نوس چیز کی شناخت نہیں کرتے، کسی غیر شخص کو اپنے گھر میں دیکھتے ہیں تو شناخت کی ضرورت پڑتی ہے، لیکن ہمارے مان باپ، بھائی بہن، خود اپنے گھر میں اس قسم کی شناخت کے محتاج نہیں ہوتے، ہمارے تمام مملوکات، جب تک ہمارے قبضہ میں ہیں، اس وقت ہم ان کی طرف آنکھ اٹھا کر بھی نہیں دیکھتے، لیکن ان میں سے کوئی چیز اگر غیر کے پاس ہو تو ہم بکاڑا اٹھتے ہیں کہ یہ تو میری ہے؟" ابتداءً جب ہم ان سے بہت زیادہ مانوس نہ تھے، تب شناخت حقیقت نفس الامری تھی، لیکن جب مانوسیت حد سے متجاوز ہو گئی اور اس کا خاتمہ ہو گیا اور ساتھ ہی شناخت بھی رخصت ہوئی اب ان اشیاء ہمارا علم بے شناخت ہو جاتا ہے،

مانوسیت کا اس طرح غائب ہو جانا بظاہر عجیب معلوم ہوتا ہے، لیکن عالم مادی اور عالم روحانی

واقعات جسم اور کیفیات نفس حیات جہانی اور حیات ذہنی دونوں میں مغایرت اگرچہ عداوت کے درجہ تک پہنچ چکی ہے۔ تاہم ایک قانون ایسا ہے جو ان دونوں میں نافذ ہے نفسیات کی زبان میں اسے قانون عادت کہتے ہیں۔ ایک کاغذ پر کسی جگہ کوئی شخص پڑ جاتی ہو تو وہ کاغذ بعد میں بھی اسی جگہ سے ٹٹنے اور تہ ہونے کی طرف مائل ہوتا ہے۔ زمین پر اگر ایک دفعہ پانی گر جائے تو بعد میں بھی پانی وہی راستہ اختیار کرتا ہے، اگر ہم کو کہیں چوٹ لگ جائے تو بعد میں ہر چوٹ اسی خاص مقام پر لگتی ہے، یہ تمام عالم طبیعی میں قانون عادت کی کارفرمائی کی مثالیں ہیں۔ بعینہ یہی صورت عالم روحانی کی ہے، عادات حرکات کے علاوہ عادات فکر کا کون قائل نہیں، عادات فکر تیش عقرب کی طرح ایجاد ہوتے جاتے ہیں، موقعہ بے موقعہ ذرا سے بہانے سے ہم کو کہیں سے کہیں لے جاتی ہیں تیر کی آواز سن کر بے ہجام، تصانی اور صوفی میں سے ہر ایک کے دل میں مختلف خیالات کا پیدا ہونا عادات فکر کی بہترین اور عام ترین مثال ہے، اس عالم گیر قانون عادت کو یاسین الفاظ بیان کر سکتے ہیں کہ کسی حرکت کے اعادہ یا کسی نفسی کیفیت کی تکرار سے وہ حرکت، یا نفسی کیفیت سیرا کھول، مستقل اور صحیح تر ہو جاتی ہے یعنی یہ کہ بعد میں اسکا احیا آسانی اور صحت کے ساتھ ہو سکتا ہے، محض اعادہ و تکرار کی وجہ سے وہ گویا ہمارے ہجام کا جزو بن جاتی ہے، چنانچہ بعض فلاسفہ نے انسان کو مجموعہ عادات کہا ہے، ان تمام خصوصیات کیساتھ عادت کی ایک اور خصوصیت یہ ہوتی ہے کہ یہ غیر شعوری ہوتی ہے، بالیکسل کی سواری جس وقت ہم سیکھنا شروع کرتے ہیں اس وقت ہم کو اپنی حرکت کی طرف توجہ کرنی پڑتی ہے، لیکن سیکھ جانے، یا یوں کہیے کہ عادت پڑ جانے کے بعد ہم کو اپنی کسی حرکت کا بھی علم نہیں ہوتا، چلنے میں ٹانگوں کی حرکات تمام تر عادی ہوتی ہیں، بجا طور تو کیجئے، کبھی ہم نے چلنے میں ان حرکات کو معلوم و محسوس کیا ہے؟ ذہنی اعمال میں کون سا عمل ادراک کے مقابلے میں زیادہ شعوری ہو سکتا ہے، لیکن بقول پروفیسر رینگل:-

”ہمارے بیان کی تصدیق اس واقعہ سے ہوتی ہے کہ جن اشیاء کا ادراک و استعمال، ضروریات کی وجہ سے ہمیشہ ایک ہی ہوتا ہے، ان کا ہم کو شعور نہیں ہوتا، ان کی وجہ سے ہمارے تمام رد اعمال

امول عادت کے مطابق ہوتے ہیں، جس قلم کو ہم ہمیشہ استعمال کرتے ہیں اسکی شکل و صورت ہم کو یاد نہیں رہتی، لکھنے کی ضرورت کو پورا کرنے کے لیے ہم اس قلم کو دیکھتے ہیں اور مٹا ہمارے ہاتھ میں حرکت ہوتی ہے اور ہم اس کو اٹھا لیتے ہیں۔ (ماخوذ از نفسیات صفحہ ۱۵۹-۱۶۰)

غرض یہ ہماری شناخت اور اس کے ذہنی اجزاء بھی اس قانون کی گرفت سے باہر نہیں، جب شناخت ہمارے لیے عادی ہو جاتی ہے، یعنی جب ہم ایک چیز کی اکثر شناخت کرتے ہیں، تو اصول عادت کے مطابق یہ غیر شعوری ہو جاتی ہے،

لیکن اس سے یہ سمجھنا چاہیے کہ اس طرح شناخت کے ذہنی اجزاء غائب ہو جاتے ہیں، یہ دعویٰ ایسا ہی ہے، جیسے یہ کہنا کہ چلنے میں ٹانگوں کی حرکات کا جو تکمیل کو علم نہیں ہوتا، ایسے وہ حرکات ہوتی ہی نہیں، شناخت میں بھی چلنے کی حرکات کی طرح تمام ذہنی اجزاء باقی رہتے ہیں، لیکن ان کی طرف توجہ نہیں کی جاتی، جو عضوی تفرات اصلی شناخت میں شامل ہوتے ہیں وہ بالکل غائب نہیں ہو جاتے، وہ موجود رہتے ہیں، لیکن بے ہوش کی وجہ سے ضعیف اور غیر واضح ہو جاتے ہیں، دوسرے الفاظ میں جن اشیاء کا علم بے شناخت ہوتا ہے مثلاً اپنے گھر میں اپنے بھائی بہنوں کا علم، وہ علم واضح اور قوی شناختی کیفیت اور ملازم خیالات کے واسطے کے بغیر ہوتا ہے،

شناخت کی بہت سی مختلف صورتیں ہوتی ہیں، اسکی توضیح ایک مثال سے ہوگی، ہم نے شروع ہی میں کہا ہے کہ ہم محفل میں داخل ہوتے ہی ایک خاص شخص کو پہچان لیتے ہیں، اسکو دیکھتے ہی ہمارے ذہن میں گزشتہ واقعات کے ایک حصہ کا احیا ہو جاتا ہے، ہم کو تمام وہ باتیں یاد آ جاتی ہیں، جو ہم نے اس سے کبھی وقت کی تعیین اور تمام وہ کام خیال میں آ جاتے ہیں، جو ہم دونوں نے مل کر کئے تھے، یعنی یہ کہ ہم پوری طرح اسکی شناخت کر لیتے ہیں، اس قسم کی شناخت معین کہلاتی ہے اس کے مقابلے میں ایک اور صورت شناخت کی یہ ہوتی ہے کہ اسی محفل میں ہم کسی اور شخص کو دیکھیں اور ہم کو خیال آے کہ ہم نے اسکو کہیں دیکھا ہے، کہاں، کس موقع پر

اور کن حالات میں اس کو دیکھا ہے ہم نہیں بتا سکتے، اسکو معلوم کرنے کے لیے ہم کو باقاعدہ غور و فکر کرنا پڑتا ہے۔ بہت ممکن ہے کہ بہت سوچے کے بعد ہم کو یاد آجائے، کہ غلام مقام پر ہماری اسکی ملاقات ہوئی تھی، یہ بھی بعید از امکان نہیں کہ ہم باوجود کوشش اور غور و فکر کے اپنی تلاش میں ناکام اور یہ معلوم کرنے سے قاصر رہیں کہ ہم دونوں کہاں ملے تھے، اس شخص کو بھی ہم نے پہچان لیا، لیکن صرف اس حد تک کہ ہم نے اسکو کہیں دیکھا ہے۔ شناخت کی اس صورت اور مقدم الذکر صورت کا مقابلہ کرنے سے ہم کو ان کے فرق کا علم ہو سکتا ہے، پہلی صورت کی شناخت مکمل ہے، اپنے واقف شخص کے تمام گزشتہ احوال و کوائف کا کامل اور مکمل طور پر احیا کر سکے ہیں، لیکن بیان دوسری صورت میں سوائے مانوسیت کے احساس کے ہمارے ذہن میں اور کچھ نہیں، اس شخص کا نام تو ایک طرف ہم کو یہ بھی یاد نہیں آتا، کہ ہم کہاں ملے تھے، دوسرے الفاظ میں یہ شناخت پہلی شناخت کے مقابلے میں نامکمل اور غیر واضح ہے، اسی وجہ سے اس کو غیر معین کہتے ہیں، اگر اسی حالت میں کسی طرح سے ہم کو اسکا معلوم ہو جائے تو ہماری شناخت معین ہو جاتی ہے، کیونکہ ممکن ہے کہ نام کی وجہ سے ہم اس کے گزشتہ حالات کا پتہ لگائیں،

شناخت کی تقسیم ہم نے اوپر کی ہے، اس کا اصول شناخت کی تکمیل ہے، اگر یہ ممکن ہے تو اس کو معین کہتے ہیں، اور اگر نامکمل ہے تو غیر معین، یا یوں کہیے کہ کسی چیز کو دیکھنے سے جن خیالات کا احیا ہوتا ہے، اگر وہ معین ہیں تو شناخت معین ہے، اور اگر غیر معین ہیں تو شناخت غیر معین، لیکن شناخت ایک اور اصول کے مطابق بھی تقسیم کی جاسکتی ہے، اس دوسری تقسیم کا اصول وہ طریقہ ہے جس سے یہ شناخت پیدا ہوتی ہے، اس اصول پر اسکی دو قسمیں بنتی ہیں، اول بلا واسطہ اور دوم بالواسطہ، اس کو بلا واسطہ اس وقت کہتے ہیں، جب کسی چیز کو دیکھ کر جو خیالات ہمارے ذہن میں آتے ہیں، وہ فوراً بغیر کسی واسطے کے پیدا ہوں، اور شناختی کیفیت فوراً بلا توقف ظاہر ہو جائے، بالواسطہ اس وقت ہوتی ہے جب ان خیالات کے احیا کے لیے ہم کو بعض اور متلازم خیالات کی ضرورت

لے پر دوسرے رنگ و گل نے ان کو اس کی ترتیب مریخی اور مریخی شناخت کہا ہے (خاکہ نفسیات صفحہ ۳۰)

پڑتی ہے، غفلت میں داخل ہوتے ہی ہم نے اپنے دوست کو دیکھا اور پہچان لیا، یہ بلا واسطہ شناخت ہے، اسلئے کہ اسکو دیکھتے ہی ہمارے دل میں خیالات کا ایک تلامطم ہوا، اور شناختی کیفیت پیدا ہو گئی، لیکن ایک شخص ہمارے پاس آتا ہے اور بڑے تپاک سے ملتا ہے ہم تجر ہو کر اس کا منہ نہکتے ہیں، اور بعد معذرت کہتے ہیں کہ میں نے آپکو پہچانا نہیں، وہ جواب دیتا ہے کہ اسکول میں ایک شخص صفا آپ کا ہم جماعت تھا کیا آپ بھول گئے؟ ہم غور کرتے ہیں تو اس نام کا کوئی ہم جماعت یاد نہیں آتا، اس سے پھر کہتے ہیں کہ حضرت معاف کیجیگا، میں نے اب بھی نہ پہچانا، وہ کہتا ہے، آپ رحیم بخش کو جانتے ہیں جو لاہور کے اسلامیہ اسکول کی میٹرکولیشن کلاس میں آپ کے پاس بیٹھا کرتا تھا ایک دفعہ ہم دونوں ملکر رادی کی سیر کرنے گئے تھے، اگر میون کے دن تھے، واپسی میں دھوپ کی تیزی سے بچنے کے لیے ایک گوالے کے ناخواندہ ہمان ہوئے تھے، وغیرہ ذلک یہ سنتے ہی ہم اٹھ کھڑے ہوتے ہیں، بغل گیر ہوتے ہیں اور بیٹھ کر عہد پیری شباب کی باتیں کر کے دل خوش کرتے ہیں، اب وہ اجنبیت رفع ہو جاتی ہے، اور تکلف برطرف، ہم دونوں بے تکلف دوستوں کی طرح ملنے ہیں اور آئندہ ملاقات کے وعدوں پر صحبت ختم ہو جاتی ہے، اس مثال میں اس شخص کو دیکھ کر پہلے تو ہم نے پہچانا ہی نہیں، لیکن بعد میں جب اس نے اپنے اور ہمارے تعلقات اور کچھ مشترک واقعات بیان کئے تو خیال آنا کہ واقعی ہم جماعت تھے، یہ صورت بالواسطہ شناخت کی ہے، جبکہ میں شناختی کیفیت پیدا تو ہوئی، لیکن بعض متلازم واقعات و حالات کے واسطے سے، اگر وہ شخص ان تمام واقعات کو نہ دہراتا، تو یہ شناخت کبھی پیدا نہ ہوتی، اور ہم اس شخص کو اجنبی اور ناواقف سمجھ کر اسکی طرف متغافل نہ ہوتے، ان تمام کو سنتے ہی ان تمام خیالات کا احیا ہو جاتا ہے، جسے مانوسیت کا احساس اور شناختی کیفیت پیدا ہوتی ہے، اور شناخت اس طرح مکمل و معین ہو جاتی ہے۔

گلبرگ شریف

اور

اوس کا نواح

از

جناب تمکین صاحب کاظمی، حیدر آباد دکن

(۲)

بہفت گنبد، یہ عجیب عمارت و عظمت و شان دکن کی منتخب عمارت سے ہیں یہ ایک ہی سلسلہ میں ملت گنبد آبادی تھیں مگر قلعہ سے ایک میل کا فاصلہ ہے سب گنبدوں کا چوترا ایک ہی تھا مگر بعد میں چوترا کو کاٹ کر پنج میں سے ایک راستہ مشرقاً و غرباً بنا دیا گیا ہے اس وقت دو چڑوان گنبد شمالی چوترا سے براہ راست جنوبی چوترا سے پر واقع ہیں جنوبی چوترا طول میں سترہ فٹ و غرباً ۶۰ فٹ عرض میں شانہ جنوباً ۴۰ فٹ ہے چوترا گنبد و رگاہ حضرت خواجہ بندہ نواز کے تالاب کے مغربی کٹے پر واقع ہیں اس لیے چوترا تالاب کی طرف ۲۵ فٹ اور جانب مغرب ۵ فٹ بلند ہے

گنبد نمبر ۱۱ یہ گنبد جنوبی چوترا سے پر مغربی جانب واقع ہے اس کی دیوار کا طول ۶۰ فٹ اور دروازہ ۲۵ فٹ ہے چوترا سے کھس تک ۱۰ فٹ بلند ہے تین دروازے ہیں مغرب کی طرف کوئی دروازہ

ہنہیں ہے اور کوئی گنبد ہی ہے چھت پر اندر کلام اللہ کی سورتیں اور نقش و نگار ہیں اس میں پانچ مزار ہیں ایک گنبد روح پرور آغا نے مجاہد شاہ کی قبر پر بنوایا ہے اور آسمین خود روح پرور آغا اور زوجہ مجاہد شاہ بھی دفن ہیں اور دو مردانہ مزار کن کے ہیں معلوم ہو سکا یہ گنبد ۱۷۹۷ء کے بعد تعمیر ہوا ہے

گنبد نمبر ۱۲ یہ گنبد پہلے گنبد کے مشرق میں واقع ہے اور عرض و طول بلندی وغیرہ میں پہلے گنبد کے سادہ سی ہے اندر ایک قبر محمد بن داؤد شاہ کی ہے جسے روح پرور آغا نے تیرہ سال کی عمر میں کھول کر کے قتل کرایا

گنبد نمبر ۱۳ یہ گنبد دوسرے گنبد کے مشرقی دروازے سے ملا ہوا ہے اور بالکل دوسرے اور پہلے گنبد کی وضع قطع کا ہے اس میں داؤد شاہ جسے روح پرور آغا نے غزوہ محرم ۱۱۳۷ء کو جامع مسجد شاہ بازار میں قتل کرایا دفن ہے اور اس کی تین بیویاں بھی

گنبد نمبر ۱۴ یہ گنبد تیسرے گنبد سے ۱۳۳ فٹ کے فاصلہ پر مشرق کی طرف واقع ہے یہ چڑوان گنبد ہیں یعنی نمبر ۱۴ اور ۵ ملے ہوئے ہیں اور دونوں گنبد بہترین ساخت کے ہیں ان کا طول اور عرض ۵۰ فٹ ہے بلندی بھی ۵۰ فٹ ہے ان کی بیرونی دیواروں پر پانچ پانچ عظیم الشان محرابیں بنی ہوئی ہیں شمالی اور جنوبی رخ پر پنج کی محرابوں میں دروازے ہیں ان کے اوپر چوڑا فٹ اور پانچ پانچ محراب ہیں جن سے رفعت دو بالا ہو گئی ہے بالائی گنبدوں پر خوبصورت خشکے اور چوٹی برجیاں ہیں اسکے وسط میں سلطان فیروز شاہ بہمنی المتوفی ۷۵۰ھ دفن ہے یہ گنبد اس نے اپنی زندگی ہی میں بنوایا تھا۔ یہ بالکل سادہ اور بہ فائز خوشنما ہے

گنبد نمبر ۱۵ اس گنبد میں نقش و نگار ہیں اندر چاروں طرف تین تین محراب ہیں اور ان میں سنگین جالیان ہیں جو پتھر ہی میں کھودی گئی ہیں محرابوں کے اوپر ایک فٹ چوڑی پیل پتھر میں تراشی گئی ہے اس میں آیتہ الکرسی قُلْ ہُوَ اللہ سورہ اخلاص وغیرہ منقوش ہیں گنبد میں کوئی قبر نہیں ہے ممکن ہے کہ مزارات ہیں

مگر تو یزین نکال دی گئی ہیں

گنبد نمبر (۶۰) مثالی چوترے پر واقع (۶۰) مربع اور اسی قدر بلند ہے اندر سنگ سیلو کا فرش ہے چند سال قبل بنی مزار شکرہ نظر آتے تھے مگر اب ان کے توڑ پھڑ بھی غائب ہیں

گنبد نمبر (۷۰) گنبد سابقہ سے (۱۸) فٹ کے فاصلہ پر جانب غرب واقع ہے سابقہ گنبد کے برابر عرض و طول ہے اس میں سلطان غیاث الدین بہمنی کا مزار ہے

یہ سات گنبد وہ ہیں جو چوترے پر واقع ہیں پچھلے اور دو گنبد ہیں ایک گنبد (گنبد نمبر ۵) کے جنوبی دروازے کے محاذی ہے یہ (۲۸) فٹ مربع اور اتنا ہی اونچا گنبد ہے اس میں بھی تین گنبد ہیں دو مزار گنبد جنوبی چوترے کے نیچے تالاب کے کنارے گنبد نمبر (۵) کے مشرقی جانب پچاس فٹ ہٹ کر واقع ہے جو سابقہ گنبد کے عرض طول کا ہے اور اس میں دو مزار زناہ ہیں

چور گنبد - یہ گنبد عید گاہ قدیم کے شمال مغرب میں ایک اونچے ٹیلے پر واقع ہے جو بہت دور سے نظر آتا ہے اس کے چاروں طرف سنگین فرش در تاک پھیلا ہوا ہے گلاب گر کے موجودہ گنبد میں بہترین گنبد ہے اوپر جانے کے لیے اندر سے دو طرفہ پڑھیاں بنی ہوئی ہیں اور ایک چور راستہ بھی ہے جو پھر کر

سیر چوں پر نکلتا ہے اس میں ذرا اندھیرا ہوتا ہے کہا جاتا ہے کہ قلعہ سے اس میں چور راستہ تھا اس لیے چور گنبد مشہور ہوا بعض لوگ کہتے ہیں کہ آبادی سے فاصلہ پر ہونے کی وجہ سے اس میں چور رہا کرتے تھے اس لیے چور گنبد نام مشہور ہوا سنا گیا ہے کہ اس میں مزار تھے جن کے توڑ پھڑ نکال دیے گئے، اوپر

چڑھنے کے بعد دور دور کا منظر پیش نظر ہوتا ہے اندر سنگ سیلو کا فرش ہے اس میں ایک صفت یہ بھی ہے کہ اندر ہزار قسم کے دستخط نام اور خطاات نظر آتے ہیں جو زائرین کی جدت اور ادبیت کے گواہ ہیں چٹان

قبل مرقدہ آثار قدیمہ نے (۱۹۰۰) کے صوف سے مرمت کرائی ہے

گنبد سلطان علاء الدین حسن بہمنی - فرمان تالاب کے مغرب میں بانی خاندان بہمنی سلطان علاء الدین حسن کا

گنبد چوترے ۳۲ فٹ مربع اور اتنا ہی بلند ہے اس کے بھی عین دروازے ہیں گنبد کی چھت میں کار کا شی کی اینٹیں لگی ہوئی ہیں چینی کے کام کے نشانات بھی موجود ہیں اس میں عین مزار میں علاء الدین کی قبر سنگ سیاہ کی نہایت ہی خوبصورت ہے جس کے پہلو میں ملکہ جهان (المتوفی ۶۳۰ھ) آسودہ ہے تیسری نہ جانے کس کی ہے یہ مقبرہ محمد شاہ بہمنی نے بنوایا تھا

گنبد سلطان محمد شاہ بہمنی، علاء الدین کے گنبد کے مغرب میں سوگر کے فاصلہ پر اسی وضع کا ایک بہترین گنبد ہے جو ایک مربع چوترے پر (۶۰) فٹ مربع اور اسی قدر بلند ہے عین دروازے میں چھت

میں گلکاری اور رنگین کام کیا ہوا ہے اس میں محمد شاہ بہمنی (المتوفی ۶۳۰ھ) اور اس کے پہلو میں ملکہ جهان بادشاہ بگم (دختر صدر عظم ملک سیف الدین غوری) مدفون ہیں توڑ پھڑ علیحدہ کوئے میں پڑے ہوئے ہیں

گنبد کے مغربی سمت ایک مسجد تھی اور سامنے قبرستان مگر اب نہ تو مسجد ہی کے آثار باقی ہیں قبریں ہی صحیح و سلامت ہیں مٹی اور پتھر کے ڈھیرا بہت نظر آتے ہیں ان دونوں گنبد دن کے اطراف میں کاشت ہوتی ہے علاء الدین نے کسان کی حیثیت سے عرق کی اور مرکز بھی اسی جگہ دفن ہوا، جهان کسان ہی بارہ مہینے اسکے گنبد کا طواف کرتے ہیں

گنبد قلندر خان - یہ رفیع الشان گنبد بہمنی پورہ اور گورنمنٹ ہاؤس کے درمیان واقع ہے اس میں سید قلندر حسینی قلندر خان طرفدار گلبرگہ اور ان کے قراہت دار مدفون ہیں سامنے قبرستان ہے جسکو ایک چار دیواری گھیرے ہوئے ہے ان کا خاندان دکن میں اب تک ممتاز ہے جاگیر دار ملکھیرہ انھیں میں سے ہیں گنبد بہت محفوظ حالت میں ہے اور انھیں کے خاندان کی نگرانی میں ہے

گنبد چاند سلطانہ - درگاہ حضرت بندہ نواز کے جنوب مشرقی گوشہ میں علی عادل شاہ بیجاپوری کی بہادر بیوی چاند بی بی کا گنبد ہے اس کے سینار اور ستون سنگ خارا اور گچ سے بنائے گئے ہیں تیسری نقطہ نظر سے یہ گنبد بہترین اور سب سے زیادہ عمدہ ہے

گنبد شیدی عبیر، احاطہ درگاہ حضرت بنو نواز کے باہر ایک گنبد شیدی عجز کا بنا ہوا ہے یہ گنبد
شیدی عبیر کے مرقعی نظام شاہ والی احمد نگر کے عہد میں جبکہ وہ مزار سلطنت تھے بنوایا تھا مگر یہ مرقع بنو سکا
قلعہ آباد میں مزار بنا اس گنبد کے دروازہ پر ایک کتبہ بخط نسخ سنگ سیاہ پر کند ہے اور خارجہ نقش ہے
چرخ خوش و پر گنبد بنا کر عبیر

شیخ کا گنبد، محلہ شاہ بازار کے غری جانب حضرت شیخ سراج الدین حبیبی قدس سرہ کا
عالیشان گنبد ہے یہ گنبد نہایت ہی خوبصورت ہے روضہ کا عالیشان دروازہ قابل دید ہے جس کے
طویل بنا بہت ہی خوبصورت ہیں یہ بنا ریوسف عادل شاہ والی بیجا پور نے بنوائے تھے
خواجہ کا گنبد، محلہ روضہ منورہ بزرگ میں حضرت خواجہ بندہ نواز کا عالیشان گنبد ہے یہ گنبد
ان کے انتقال کے بعد ۱۲۷۲ سے بننے لگا اسکی تعمیر احمد شاہ بہمنی نے شروع کی اور علما الدین بن احمد
نے ختم کی صرف سات سال میں گنبد کی اندرونی استرکاری ختم ہوئی ہے، ابراہیم قطب شاہ نے بیرونی
استرکاری کرائی محمود عادل شاہ نے ۱۲۷۵ میں انکو گنبد کا کس لکرائے صاحبزادے سید محمد اکبر حسینی کے گنبد پر چڑھا دیا اور
اور ان کے گنبد پر نیا کس لکھا دیا، افضل خان سپہ سالار بیجا پور نے پائین میں ایک بڑی کمان اور مسجد اور سرے
بمقامی شہنشاہ عالمگیر نے ۱۲۷۵ میں اندرون احاطہ درگاہ ایک مسجد اور مدرسہ بنوایا، گنبد کے بچوں بچہ میں
حضرت کا عظیم الشان حویل مزار ہے جسکے اطراف میں چالی لگی ہے، بیٹانی پر یہ شکر کندہ ہیں سے

نقرا لیل باب و جانی بجزائے طلا شد بنا از مشہد یہ اللہ حسینی بانیاز
فیض ہم تاج باب آن ولی امت شریف باب جنت بہت باب در گہ بندہ نواز

کتبہ

نہت گنبد و کن جزیرہ گیسو دراز بادشاہ دین و دنیا ناما بندہ نواز

قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم المؤمنون لا یوتون بل ینقلبون من داور القنار

الحی داد البقاء ومن جوار الشیطان الی جوار الرحمن ومن جوار العنور
الی داور السورہ

چاندی کے کٹھے پر یہ کندہ ہے،

"والذین آمنوا وعملوا الصالحات فی روحناات الجنات"

درگاہ شریف کے دروازے پر

"لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ علی ولی اللہ فاطمہ حسن حسین سبط رسول اللہ"
چو کھٹ پر نچلے حقہ میں کندہ ہے،

محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یا امدنی و دین الحق لیظهر علی الدین کلمہ
وکفی باللہ شہیدا والذین معہ اشد علی الکفار رحماء بینہم ترہم رکعاً
مسجد آیتنغون من فضل اللہ رضواناً،

حضرت خواجہ کے مزار کے داہنے جانب آپ کے فرزند سید شاہ محمد حسینی اور بائیں جانب سید شاہ
صفی الدین حسینی مدفون ہیں

گنبد اکبر حسینی، حضرت بندہ نواز کے گنبد کے محاذی ایک گنبد حضرت کے صاحبزادے سید محمد
اور ان کی بیوی کا ہے اور ایک دو چھوٹے گنبد بھی ہیں جو قابل ذکر نہیں،

گنبد قبول حسینی حضرت خواجہ کے گنبد کے بازو دوسری چار دیواری میں حضرت کے پوتے سید محمد حسینی
کے فرزند شاہ قبول اللہ حسینی کا عالیشان گنبد ہے یہ گنبد حضرت خواجہ کے گنبد سے کسی قدر چھوٹا ہے گنبد کے

اندرون درگاہ کے چاندی کے کٹھے پر نصیحت اللہ و فتح قویب دہ غیب نواز ۱۲۸۶ء کندہ ہے یہ دونوں

گنبد گنبد گہ سے بارہ چودھیل کے فاصلہ سے بھی نظر آتے ہیں خاص کر حضرت خواجہ کا گنبد مبارک

مرزا ایل محم، ایل محم وہ شخص ہے جس نے ایران صدد کو لیکر محمد تفلک سے بناوت کی اور مکن

میں اسلامی سلطنت کی بنیاد ملی ^{۱۳۴۶ھ} ۱۹۲۷ء میں دولت آباد میں نصیر الدین شاہ کے لقب سے سلطنت شروع کی
 مگر حسن بہمنی کے تور دیکھ کر چند ہی مہینوں کے بعد ^{۱۳۴۷ھ} ۱۹۲۸ء میں حسن کو تخت نشین کر کے خود علیحدہ ہو گیا، حسن بہمنی
 اس کو امیر الامرا اور سپہ سالار مقرر کیا مگر ^{۱۳۴۸ھ} ۱۹۲۹ء میں بالزام سازش قتل کر دیا، انھیں گنج اوسا کی بیوی کا مزار
 علاء الدین حسن کے گنبد کے قریب فرماں تالاب کے جھنڈا پر واقع ہے، قبور صفیہ اور رنگ سیاہ کی ہیں
 مزار ملک سیف الدین غوری، سلطان حسن کے گنبد کے مشرقی دروازے کے محاذی ایک پختہ
 چوڑے پر صدر غلام ملک سیف الدین غوری کا مزار سنگین واقع ہے، ملک موصوف نے ایک سو سات سال
 کی عمر میں ^{۱۳۹۹ھ} ۱۹۸۰ء رجب کو انتقال کیا،
 مزار شاہ ضیا الدین، سلطان محمد بہمنی کے گنبد کے مغرب میں ایک چوڑے پر شاہ ضیاء الدین
 قتال شہید اور ان کی والدہ اور بھائی کے مزار ہیں، شاہ صاحب ^{۱۳۹۹ھ} ۱۹۸۰ء میں بعد اس کے ہیرن والی
 گھر گئے شہید ہوئے تھے،
 مزار سلطان محمود شاہ بہمنی، شاہ صاحب کے چوڑے کے جنوب میں ایک چوڑے پر سلطان
 محمود بن سلطان حسن کا سیاہ سنگین مزار ہے جس نے ^{۱۳۹۹ھ} ۱۹۸۰ء میں وفات پائی،
 مزار صدر الشریف، جامع مسجد شاہ بانا کے عقب میں ایک خانہ کی دیران مسجد کے شمالی گوشے
 میں ایک چوڑے پر صدر الشریف سمرقندی اور مولانا سید احمد غزنوی کے پختہ اور سنگین مزار ہیں، عمر
 حسن بہمنی میں مولانا سمرقندی صدر الصدور اور مولانا غزنوی مفتی تھے،
 مزار فضل الشانجو، ہمت گنبد کے پاس چوڑے کے پختہ دوسرے گنبد کے چوڑے پر سید فضل اللہ انجو
 شہر لڑی استاد فیروز شاہ وکیل سلطنت، باب ملک اور ان کے فرزند میر شمس الدین انجو کے مزار ہیں،
 مزار سید شاہ حسام الدین، قلعہ کی مشرقی خندق اور جھپس کے درمیان تالاب جگت کے
 کٹے پر حضرت سید شاہ حسام الدین مینی تھانہ ہند ^{۱۳۹۹ھ} ۱۹۸۰ء کا مزار شریف ایک چوکھنڈی میں ہے جس کے

اطلاعات ہیں مزار بھی ہیں

مزار حضرت سعد زنجانی، پڑانی عید گاہ کے شمال میں ایک چوڑے پر حضرت شیخ سعد زنجانی
 (۱۳۹۹ھ) کا مزار ہے،

مزار حضرت انصاری، آصف گنج میں رنگین مسجد کے قریب حضرت شیخ سہناج الدین تمیمی انصاری
 (۱۳۹۹ھ) کا مزار ہے،

مزار حضرت رکن الدین تولہ، گبرگہ سے چار میل کے فاصلہ پر جانب مغرب ایک بلند پہاڑی پر انکا
 مزار واقع ہے، وہ مجذوب تھے، اور رکن الدین تولہ (۱۳۹۹ھ) اسم گرامی تھا،

مزار لنگوٹ بند، کوتوال تالاب کے پاس حضرت شاہ بہا الدین لنگوٹ بند کا مزار ہے جو
 پانچ گنبد پچیس کلس کے نام سے مشہور ہے، اس پر ایک مختصر سا گنبد بھی ہے،

مزار حضرت حافظ، شیخ ضیاء الدین قتال شہید کے چوڑے کے پختہ ایک سنگین حجرے میں ایک
 مزار چند آدے تر پختہ پتھروں کا ملا کر بنایا گیا ہے، جو حضرت مولانا حافظ کا مزار ہے،

مزار مولانا قادر، گبرگہ سے دو میل کے فاصلہ پر جانب شمال سلطان پور کے دروازے کے پاس
 حضرت مولانا حافظ کے بھائی مولانا قادر کا مزار ہے،

مزار اختیار الدین، محلہ شاہ بانا میں حضرت مولانا حافظ کے اور ایک بھائی مولانا اختیار الدین
 کا مزار ہے،

مزار کمال گریان، سلطان پور کے پاس ان کا مزار ہے چونکہ ہمیشہ روستے رہتے تھے،
 اس لیے گریان لقب مشہور ہو گیا،

مزار خوزہ سلطانہ، یہ سلطان محمود بہمنی کی صاحبزادی عقیق بڑی عابدہ اور صالحہ عقیقہ شوق
 عورت ہر آن حسینی سے بیاہی گئیں، گبرگہ سے دو میل شمال کی جانب درختوں کے جھنڈ میں انکی چوکھنڈی

مزار پیرنگردی۔ جس بادر کے پاس قلعہ کی سرک پر ان کا مزار ہے، یہ سدا سہاگ فقیر تھے۔
مزار چمن شاہ، جس کے درخت کے پاس ان کا مزار ہے، ان کا ام گرامی سید شاہ صدر الدین
تھا، حضرت بندہ نواز کے ہم عصر تھے، سارا گلبرگہ اویا، دشایکین کے مزارات سے بھرا پڑا ہے، انشاء اللہ
اویا گلبرگہ کے تحت ہم سب کے فضیلی حالات قلمبند کریں گے۔

مزار حضرت جہانگیر سید قلعہ کے مخازی ایک جو کھنڈی میں حضرت جہانگیر قادری (۱۰۱۲ھ) کا
مزار ہے جس کے سرانے سنگ سیاہ پر کچھ ٹکٹ ایک کتبہ پڑا ہوا ہے، کتبہ

کَلَّ مِنْ عَلَيْهَا فَنَان

كَالَهِ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ مُحَمَّدٌ رَسُولُ اللَّهِ

وَهُوَ الْعَلِيُّ الْعَظِيمُ. هَذَا قَبْرُ مَبَارَكِ الْمَغْفُورِ رَاهِمِ حَوْصِ حَاجِي
صَاحِبِ دِينِ حَاجِي حَسَنِ لَاهِيَا نَفِي سَنَةِ اربع عشر و ثمان مائة (۱۰۸۴ھ)

(۶۱۳۱)

معلوم نہیں کہ یہ کمان کے مزار کا ہے اور یہاں کس نے لاکر ڈال دیا،
جو کھنڈہ کے ہفت گنبد گلبرگہ (۲۲) میل کے فاصلہ پر تاؤنڈگی (مستقر ضلع پاکپانہ) کے
پاس جو کھنڈہ نامی سیٹ روڈ پر بزرگ کا ایک موضع ہے جس میں گلبرگہ کے ہفت گنبد کے برابر سات
عظیم الشان گنبد ہیں، پنج میں عمود مشائخ کا گنبد ہے جو خواجہ کے ہم عصر تھے، اس کے مشرقی جانب
سید اسماعیل راجو خان مشائخ کے پردے کا اور اس کے مخازی سید جلال الدین کا گنبد ہے، اس گنبد کے
مغرب میں حمید الدین خیر خان کا گنبد اور اس کے باؤ میں سید عظیم خان کا گنبد ہے، جس کے پیچھے شہزادہ
الوفان کا گنبد ہے، یہ لوگ حضرت محمود مشائخ کے اعوان تھے،

اعوان کے باہر ایک جالی دار جو کھنڈی میں سید تاج الدین صاحب کا مزار ہے جو

مشائخ صاحب کے والدین ان کے پہلو میں ایک مصفا نقش سنگی ستونوں پر سید نصیر الدین داروہ کا
گنبد ہے جو نہایت ہی عمدہ اور بر خالصت حسین ہے۔

یہ گنبد بہترین اور عمدہ ہیئت کی طرز تعمیر کے عمدہ نمونے ہیں، تمام گنبدوں کی چوکھٹیں سنگین اور
نقش و نگار سے مزین ہیں اور سب سنگ موٹے میں ترشے ہوئے بے جوڑ ہیں، تمام گنبد مضبوط
اور مستحکم حالت میں ہیں۔

صورت گلبرگہ اور اس کے نواح کے حالات کے اس قدر طوالت اختیار کی، انشاء اللہ گلبرگہ کے
مضافات کی تفصیل علیہ قلمبند کی جائیگی۔

ماخذ

ضمیمہ رپورٹ سرزشتہ آثار مذکورہ سرکار عالی بابت ۱۳۳۰-۳۱ھ امرتہ مولوی سید علی اصغر گلبرگی،

تاریخ دکن مولفہ مولوی عبد الجبار خان آصفی ملک پوری ثم الحمید راجہ باوی،

کتبات = مرتبہ نواب فراز جنگ بہادر،

تاریخ دکن مولفہ مولوی سید علی گلبرگی،

تاریخ بیجا نگر حصہ سوم مولفہ مولوی بشیر الدین احمد دہلوی تعلقہ داروہ ضلع یاب سرکار عالی،

نیو اسپرل سیریز آف آرکیالاجیکل سروے آف انڈیا مرتبہ ہنری کزنس ۱۸۹۹ء

لغات جدیدہ

چار ہزار جدید عربی الفاظ کی ڈکشنری، مطبوعہ معارف پریس، قیمت غیر
"پینچر"

علم الاطراف

از

شمس العطار خان بہادر ڈاکٹر ہدایت حسین صاحب پی ایچ ڈی ،
مولانا ہدایت حسین صاحب کا نام علمی دنیا میں محتاج تعارف نہیں ، خود ناظرین معارف اس سے
جو بولہ بالا بریری کی عربی کتابوں کی فہرست کے سلسلہ میں شائع ہوئی تھی مولانا کے
وسعت علم سے واقف ہو چکے ہونگے ، اس وقت مولانا متعدد اہم فرائض انجام دے رہے ہیں
ان میں ، ترجمہ کی ترتیب اور بنگال ایسٹیاٹک سوسائٹی کے شعبہ سانیات کی نظامت
بھی ہے ، مندرجہ ذیل مضمون مولانا نے اسی سوسائٹی کے رسالہ میں شائع کیا تھا اور اس مضمون
کی ایک خاص کاپی ہمارے پاس بھی روانہ کی تھی علم الاطراف پر آج تک کوئی مضمون اردو
میں شائع نہیں ہوا ہے اس لیے امید کریں ترجمہ یقیناً دسپسی سے پڑھا جائے گا ،

"معارف"

مسلمانوں نے احادیث کے جمع کرنے میں سخت کوشش کی ہے اور اس سلسلہ میں ادن کو
رُوداۃ کی تلاش میں دور دراز ممالک کا سفر بھی کرنا پڑا ہے ، کسی راوی کے بیان کو قبول کرنے سے
پہلے اس کے زہد و اتقا اور مذہبیت کی تحقیقات کی جاتی تھی ، اور اگر اس کے اخلاق یا صداقت
کے متعلق ذرا بھی شبہ پیدا ہو جاتا تو اسے غیر مستند ٹھکر دیا جاتا ، چنانچہ محدثین اسلام اسناد
کا اس قدر خیال رکھتے کہ سلسلہ رُوداۃ کی اگر ایک کڑی بھی مشتبہ نظر آتی تھی تو پوری حدیث
غیر مستند سمجھ کر رد کر دی جاتی علامہ سبکی ، طبقات الکبریٰ میں لکھتے ہیں کہ سفیان اشورجی کا قول ہے

کہ اسناد حدیث کا زیور ہے اور جو شخص اسکی طرف توجہ کرتا ہو خوش قسمت ہو ، انہی کا قول ہے کہ اسناد اسلام کا
ہتھیار ہے عبد اللہ بن مبارک (الموتوفی ۱۸۵ھ) کہتے ہیں کہ علم الاسناد مذہب کا جز ہے ، ایک اور بزرگ کا قول
ہے کہ علمائے اولین علم الاسناد کو ضروری سمجھتے تھے اور ہر محدث کو اسناد یاد رکھنے پڑتے تھے ، اسی علم
کے ذریعہ ایک شخص کے تجربہ کا امتحان لیا جاتا تھا ،

امام بخاری (الموتوفی ۲۵۵ھ) جو فلک حدیث کے آفتاب ہیں ، ایک مرتبہ بغداد شریف لے گئے ،
وہاں کے محدثین نے امتحان ان سے متعدد احادیث کے متعلق سوال کیا اور اس سلسلہ میں انھوں نے سلسلہ
رُوداۃ کو بدل دیا ، امام صاحب نے فوراً اس غلطی کو بتا کر صحیح سلسلہ رُوداۃ بیان کر دیا ، چنانچہ محدثین بغداد نے
ان کو سب بڑا محدث تسلیم کر لیا ، اسناد کے ذریعہ ایک حدیث کی صحت کے متعلق فیصلہ کیا جاسکتا ہے ،
تاہم ایک مستند کتاب میں کسی خاص حدیث اور اس کے اسناد کی تلاش ایک اہم مشکل کام ہے کتب
احادیث میں احادیث کی ترتیب کسی اصول پر نہیں ہے ، ایک حدیث جو ایک خاص باب میں موجود ہے
دہی حدیث دوسرے ایک مقناذ باب میں بھی ہوتی ہے ، بڑے بڑے محدثین کو بھی یہ مشکلات پیش آئی
ہیں ، حضرت امام مسلم (الموتوفی ۲۶۱ھ) کی موت کا واقعہ اس دعویٰ کا بین ثبوت ہے ،

کسی خاص باب کے ماتحت کسی خاص حدیث کی تلاش کی تکلیف سے بچنے کے لیے علمائے علم الاطراف
ایجاد کیا ہے ، اس علم کے ذریعہ اگر ہم کو حدیث کا کوئی ٹکڑہ یاد ہے تو اس پوری حدیث کی جگہ ہی معلوم نہیں
کر سکتے ہیں بلکہ یہ بھی پتہ چل جاتا ہے کہ وہ حدیث کن کن ابواب کے ماتحت لکھی گئی ہے ، سب سے پہلے
درد آدمیوں نے اسکی طرف توجہ کی ،

۱۔ الحافظ ابو مسعود ابراہیم بن محمد بن عبیدہ الدمشقی (الموتوفی ۳۴۰ھ)

۲۔ الحافظ ابو محمد خلف بن محمد بن علی بن حمدون الواسطی (الموتوفی ۳۵۰ھ) ان دونوں نے صرف

صحیحین (مسلم و بخاری) کے اطراف مرتب کئے ، اور ان کو اطراف الصحیحین کے نام سے یاد کیا جاتا ہے ،

عاجی خلیفہ مجربان ہے کہ ترتیب وصحت کے لحاظ سے مؤخر الذکر بزرگ کی تصنیف بہتر ہے اس مؤخر الذکر تصنیف کے دونوں کا حجم ایک پانچ جلدوں میں اور دوسرے تین جلدوں میں ہے قابرہ کی فہرست کتب میں تذکرہ جو یہ دونوں نسخے خاصے قدیم ہیں ان میں سے ایک ششم اور دوسرا ۶۳۵ء کا ہے۔ حاجی خلیفہ نے دراطراف کا اور ذکر کیا ہے جو اطراف صحیحین ہی کے نام سے مشہور ہیں ان میں سے ایک کے مصنف الحافظ ابو نعیم احمد بن عبد اللہ الاصبہانی (المتوفی ۳۴۵ھ) اور دوسرے کے الحافظ احمد بن علی بن حجر (المتوفی ۸۵۵ھ) ہیں۔

دو عمدہ حلق کی تصنیف کے بعد دوسری مستند کتب احادیث کے اطراف کی ضرورت محسوس کی گئی چنانچہ الحافظ ابو الفضل محمد بن طاہر بن علی المقدسی القیسری (المتوفی ۷۵۵ھ) نے امام مالک کی موطا کو چھوڑ کر کتب سے اس کے احداث مرتب کئے لیکن مقدسی کی کتاب مقبول نہ ہوئی اسلئے کچھ زمانہ بعد الحافظ محمد بن علی بن الحسن الحسینی الدمشقی (المتوفی ۷۵۵ھ) نے مقدسی کی کتاب کی دوبارہ ترتیب، ترمیم، و تصحیح کی پھر بھی اسکو ہرگز بڑی حاصل نہ ہو سکی چنانچہ الحافظ ابن عساکر (المتوفی ۷۵۵ھ) نے صحیحین اور موطا کے علاوہ صحاح ستہ کی بقیہ چار کتابوں کے اطراف مرتب کیے انھوں نے اپنی کتاب کا نام الاشراف علی معرفة الاطراف رکھا پھر دغیر برکلمین نے اپنی کتاب متعلق تاریخ ادبیات عرب میں اس کتاب کے فہرست کا تذکرہ کیا ہے۔ ایک قابرہ میں ہے اور دوسرا قسطنطنیہ میں قابرہ کا نسخہ تین جلدوں میں ۶۳۵ء کا لکھا ہوا ہے۔

ابن عساکر کی پیروی کرتے ہوئے ایک اور مصنف عمر بن علی بن الملق الاصفہانی (المتوفی ۷۵۵ھ) نے اسی قسم کی ایک الاشراف علی اطراف الکتاب لکھی، حافظ سیوطی (المتوفی ۷۵۵ھ) نے اسی کتاب میں اضافہ کر کے اس کا نام اطراف الاشراف باشراف الاطراف رکھا۔

ابن عساکر کی تصنیف کچھ دنوں تک اس موضوع پر مستند سمجھی جاتی تھی اس کے بعد حافظ مزنی (المتوفی ۷۵۵ھ) نے ایک ضخیم و مبسوط کتاب صحاح ستہ ابو داؤد کی کتاب المراسیل الترمذی کی

کتاب اشاعل اور النسائی کی کتاب علی ایوم واللیلہ کے اطراف میں مرتب کی یہ کتاب اب تک مستند ہے اس کا نام تحفۃ الاشراف بمعرفۃ الاطراف ہے، پروفیسر برکلمین نے اس کتاب کے دونوں کا تذکرہ کیا ہے ایک برلن میں ہے جو نامکمل ہے اور دوسرا بحر ازمین، بائبل پور کے کتب خانہ میں بھی اس کا ایک نسخہ چار جلدوں میں ایو، ایشیا نمک سوسائٹی بنگال میں بھی دو جلدوں میں اس کا ایک نسخہ موجود ہے۔

مقدمہ سے پتہ چلتا ہے کہ مزنی نے یہ کتاب ۲۶ برسوں کی محنت شاقہ میں لکھی ہے اس کو اب تک ہر دہریز اور کثیر الاستعمال ہونے کا فخر حاصل ہے لیکن چونکہ یہ ایک ضخیم کتاب ہے اسلئے بعد کے دو مصنفین نے اسکی تلخیص کی ہے، ان میں ایک حافظ ذہبی (المتوفی ۷۵۵ھ) اور دوسرے حافظ محمد بن علی بن الحسن الحسینی الدمشقی (المتوفی ۷۵۵ھ) ہیں ابن حجر العسقلانی نے مزنی کی کتاب پر مفید شرح اور حاشیے لکھے ہیں اور ان احادیث کو بھی جمع کر دیا ہے جنکو المزنی نے چھوڑ دیا تھا اس شرح کا نام النکات اطراف علی اطراف اس کا ایک نسخہ بائبل پور کے کتب خانہ میں ہے، بائبل پور کی فہرست کتب میں ہے کہ مزنی نے خود بہت سی احادیث جمع کی تھیں جنکو اس نے اپنی کتاب میں شامل کرنے کی بجائے لوائح الاطراف کے نام سے علیحدہ جمع کیا تھا۔

ابن حجر العسقلانی نے بھی تین کتابیں اس فن پر لکھی ہیں (۱) اتحات المہرہ باطراف العشرہ، یہ کتاب آٹھ جلدوں میں ہے اور صحاح ستہ اور مساند اربعہ کے اطراف پر مشتمل ہے (۲) اطراف المسند الموطی باطراف المسند الحنبلی چونکہ سند احمد بن محمد بن حنبل (المتوفی ۷۵۵ھ) میں سیوطی کے بیان کے مطابق چار ہزار حدیثیں ہیں اسلئے ابن حجر العسقلانی نے اس کے لیے علیحدہ مستقل اطراف لکھا اور اس حصہ کو اپنی مذکورہ کتاب سے الگ کر دیا (۳) اطراف المختارۃ المختارہ الحافظ محمد بن عبد الوحید المقدسی الحنبلی (المتوفی ۷۵۵ھ) کی مشہور حدیث ہے ابن حجر نے اس کے اطراف بھی لکھے۔

اگرچہ ابن حجر نے تین ضخیم تصانیف اس فن پر لکھی تھیں مگر پھر بھی ایک بہتر تصنیف کے لیے میدان

کھلا ہوا تھا، اسی کی کوپڑا کر کے یے عبدالحی بن اسماعیل (انہ لمسی لا المتوفی ۳۱۱ھ) نے ایک کتاب لکھنا شروع کی، انھوں نے اپنے پیشروں کی تصانیف کا مطالعہ کیا، ان کی بہتر ترتیب کی اور غیر ضروری حصے کو ماقطہ کر دیا، اس نے اس کتاب میں حروف تہجی کے اعتبار سے صرف اس اولین راوی کا نام دیا جو براہ راست رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتا ہے، راوی کا نام دیکر اس کے نیچے وہ تمام احادیث درج کر دیں جو اس نے بیان کی ہیں اور ان ابواب کا حوالہ بھی دیدیا جنہیں وہ موجود ہیں، اس کتاب کا نام ذخیر اللوار فی الدلائل علی ما کن الاحادیث ہے،

یہ کتاب دو ضخیم جلدوں میں ہے، پہلی جلد میں، ۱۱۱ اوراق ہیں دوسری میں ۴۲۵ اس کتاب میں المناہجی سے احادیث کی مندرجہ ذیل سات کتابوں کے اطراف تک لکے ہیں،

(۱) صحیح بخاری (۲) صحیح مسلم (۳) سنن ابی داؤد (۴) جامع ترمذی (۵) سنن نسائی (۶) ابن ماجہ

(۷) موطا مالک چونکہ محدثین میں چھٹی کتاب حدیث کے متعلق اختلاف ہے اس لئے مصنف نے دونوں متنازع فیہ کتابوں کو لے لیا ہے، بعض کا قول ہے، کہ چھٹی کتاب سنن ابن ماجہ ہے، اور بعض کی رائے ہے کہ موطا امام مالک، مصنف نے دونوں کے اطراف لکے ہیں، اس نے ان تمام احادیث کے لئے حروف و اشارات بھی وضع کئے ہیں، بخاری کے یے خ، مسلم کے یے م، داؤد کے یے و، ترمذی کے یے ت، نسائی کے یے س، ابن ماجہ کے یے ہ، اور موطا کے یے ط،

انہ لمسی نے اپنی کتاب کے، بابوں میں تقسیم کیا ہے، جنہیں اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اسمائے مبارک باعتبار حروف تہجی درج ہیں، انہ لمسی نے اپنی اس کتاب کا ایک نسخہ خود اپنے ہاتھ سے لکھ کر کتب خانہ صوفیہ مکہ مکرمہ کو پیش کیا تھا، اسکی ایک نقل کراچی لائی گئی اور اس نسخہ سے میرے ایک دوست مولوی عبد اللہ مقیم ہوڑہ (۱) نے نقل لی،

انہ لمسی کی کتاب نے ان تمام مشکلات کو جنہیں محدثین متقدمین کو دوچار ہونا پڑتا تھا،

ایک بڑی حد تک کم کر دیا ہے، لیکن چونکہ کسی حدیث کے نکالنے کے لیے اس کے اولین راوی کا نام جاننا ضروری ہے، اس لیے میرے خیال میں اس سے موجودہ حالات میں بہت کم استفادہ کیا جاسکتا ہے، ان مشکلات کو پیش نظر رکھ کر ایک موجودہ مصنف نے دو کتابیں اس موضوع پر لکھی ہیں مشہور مصنف کا نام

محمد شریف بن مصطفیٰ التوقاوی ہے، ان کتابوں میں سے ایک بخاری کے متعلق ہے جو ۲۵۶ھ میں مصر میں شائع ہو چکی ہے، اور دوسری سلم کے متعلق، یہ بھی مصر میں ۱۲۵۰ھ میں چھپ گئی، مؤول الذکر تصنیف کا نام مفتاح صحیح البخاری اور مؤخر الذکر مفتاح صحیح مسلم ہے، اس نے ان کتابوں کو آخری مرتبہ ۱۳۱۲ھ میں مفتاح الصحیحین کے نام سے مرتب کیا اور ۱۳۱۳ھ میں قسطنطنیہ سے شائع کی، مفتاح صحیح البخاری کے ۱۹۲ صفحات ہیں اور مفتاح مسلم کے ۱۰۵۰، اس کتاب میں لائق مصنف نے بخاری کی میں مشہور شرحون القسطلانی (مطبوعہ مصر ۱۲۹۳ھ) القسطلانی (مطبوعہ مصر ۱۳۰۱ھ) اور عینی (مطبوعہ قسطنطنیہ ۱۳۰۹ھ) اور مسلم کی ایک شرح النووی (مطبوعہ مصر ۱۲۹۳ھ) کے صفحات کے حوالے بھی دیئے ہیں، مصنف نے احادیث کو حروف تہجی کے اعتبار سے ترتیب دیا ہے، اور اپنے جانب کے قانون میں بخاری اور اسکی شرحون کی جلد صفحہ کا حوالہ دیتا ہے، سچ میں حدیث دیتا ہے، اور بائیں جانب ابواب اور ان کے عنوانات کے نمبر ہوتے ہیں، ہم بخاری اور سلم دونوں کے مفتاح کا نوذیل میں درج کرتے ہیں،

هذا مفتاح صحیح البخاری

قسطلانی	ص	ج	قسطلانی	ص	ج	عینی	ص	جلد	ص	بخاری	ص	الاحادیث النبویہ	تجزیہ	اسامی المبانی	حش
۵۳۲	۶	۸۱	۸	۴۱۶	۸	۱۱۷	۸	۱۱۷	۵	۱۱۷	۵	۱۱۷	۵	۱۱۷	۵
۴۲۸	۴	۱۶۶	۵	۲۹۳	۶	۱۲۸	۳	۱۲۸	۳	۱۲۸	۳	۱۲۸	۳	۱۲۸	۳

فضل کعبین

هَذَا مَقَالٌ مِّنْ مَّسَلَمَ

نودی	مسلم	الاحادیث الثبوتية		الادب	اسامی المباحث
ص	ج	ص	ج		
۱۱	۴	۳۷۶	۱	۶۷	کتاب الحج
۲۵۲	۳	۱۵۱	۱	۷	المساجد

اس تصنیف میں ایک بڑی خوبی یہ ہے کہ جن مطبوعہ نسخوں کے حوالے دیئے گئے ہیں وہ اگر موجود نہ بھی ہوں تو بھی ایک شخص ابواب اور عزائمات کے ذریعہ اس سے اچھی طرح مستفید ہو سکتا ہے۔
مجھے ڈاکٹر اے، ایس، صدیقی صاحب سے یہ معلوم کر کے خوشی ہوئی کہ صحاح ستہ اور مسند امام شہل کی مفصل نقی فہرستیں، پروفیسر اے، جے، ولینسنگ (جامعہ لیدن) کی نگرانی میں مرتب ہو رہی ہیں، پروفیسر موصوف نے مجھے اطلاع دی ہے کہ وہ ہر حدیث کے تمام اہم الفاظ کو فہرست میں داخل کریں گے اور اس کے ساتھ ہی ان تمام الفاظ کو بھی لکھیں گے جو فقہی، جزائی یا سانی حیثیت سے کوئی امتیاز رکھتے ہیں عربی زبان اصحاب عموم اور اصحاب حدیث خصوصاً اس تصنیف کا پر جو شش خیر مقدم کریں گے،
معارف: مگر یہ حقیقت کس قدر شرمناک ہے کہ جو کام ہم کو کرنا چاہیے تھا اسے غیار ہمارے لیے کر رہے ہیں۔

خطبات مدراس

ادبیات نے پچھلے سال مدراس میں سیرۃ نبوی کے مختلف پہلوؤں پر جو آٹھ خطبے (لکچر) دیئے تھے وہ نہایت اہتمام سے عمدہ کاغذ پر چھپ کر تیار ہیں، یہ اس لائق ہیں کہ مسلمانوں کے علاوہ غیر مسلموں میں بھی تقسیم کے جائیں، مناسبت ۱۶ صفحہ قیمت چھ

منہج

حضرموت

مترجمہ

مولوی شاہ معین الدین صاحب، ندوی رفیق دارالمنصفین

حضرموت جزیرۃ العرب کا اہم صوبہ ہے، لیکن افسوس ہے کہ اس کے جزائی حالات، سیاسی واقعات اور تعلیمی و اجتماعی کیفیات اور موجودہ صورت احوال سے بہت کم لوگ واقف ہیں، حال میں حضرت موت کے جلیل القدر فاضل سید محمد بن عقیل نے یہاں کے حالات الزہراء میں شائع کئے ہیں، ناظرین معارف کی آگاہی کے لیے اس کے ضروری اجزاء کا ترجمہ درج ذیل ہے،

حدود اربعہ | حضرت موت، یمن اور عمان کے بیچ میں سواحل ہند کے مقابل بحر عرب کے ساحل پر واقع ہے، خشکی میں یہ قطعہ بشرق میں وادی ہود، مغرب میں عین یا معبد، مغرب میں بحر عرب، شمال میں ریگستان نجد سے گھرا ہے،

چٹنے اور مزرع | حضرت موت کے رقبہ میں جگہ جگہ چھوٹے چھوٹے ریگستان ہیں، لیکن تھوڑے حصہ کے علاوہ باقی سب غیر آباد ہیں، البتہ گذشتہ آبادیوں کے نشانات اب بھی جا بجا ملتے ہیں، جس سے گذشتہ تمدن اور آبادی کا پتہ چلتا ہے، امتداد زمانہ سے پانی کے قدرتی وسائل بہت دور بہت کم ہیں جبکہ وجہ سے کنوئیں اور چٹنے خشک پڑے ہیں، اسی سبب سے شادابی کم اور خشکی زیادہ ہے، اور آبادی رقبہ زمین کی آبادی بھی گھٹ گئی ہے، لیکن ساحلی علاقہ اور بعض وادیوں میں زراعت ہوتی ہے پیداوار | یہاں تمباکو کثرت سے ہوتی ہے، غلہ میں گہون، چنیا، اور بادہ پیدا ہوتا ہے، اسکے

علاوہ مختلف قسم کے کھجور، سیوہ جات اور سبزیاں بھی ہوتی ہیں، ہندوستانی روٹی بھی تھوڑی بہت ہوتی ہے،
مغربی اصناف میں اعلیٰ قسم کا شہد نکلتا ہے اور پہاڑوں پر مراد اور بجان پیدا ہوتی ہے،

حیوانات مختلف قسم کے جانور جو زمین میں ہوتے ہیں، یہاں بھی بائے جاتے ہیں، اور بہت سے ایسے چرند و پرند
جسکا قدیم تاریخوں میں تذکرہ ہے اب ناپید ہیں، اور ناپید ہوتے جاتے ہیں، ان میں ایک خاص جانور جو
پہاڑی بکرے اور ہرن کی درمیانی شکل رکھتا ہے قابل ذکر ہے،

بدوی حضرات کے پہاڑوں میں بہت سے خالص عربی النسل بدوی آباد ہیں، لیکن ان میں ہمیشہ
کشت و خون کا بازار گرم رہتا ہے عام خشک سالی کی وجہ سے یہاں کوئی ایسی بااقتدار حکومت عرصہ
نیک و قائم رہ سکی جو ان کو قابو میں رکھ سکے، اگر کوئی بڑی قوت اٹھتی بھی ہے، تو ذرائع آمدنی کی قلت
اسکی مساعدت نہیں کرتی، اور معمولی طاقت کے بس میں نہیں آتے،

نہرہ حمرہ حضرات کے قریب ایک وسیع رقبہ زمین ہے، جسکا ایک سرعمان سے ملتا ہے، اگرچہ یہ
حضرات سے الگ ہے لیکن اس کا شمار اسی کے ٹکٹات میں ہے، یہاں کی آبادی ایک لاکھ تیس ہزار نفوس
پر مشتمل ہے، اسکی زبان عربی سے علیحدہ مستقل ہے لیکن بعض جینیات سے عربی کے مشابہ ہے، البتہ یہ
لکھنے کے کام میں نہیں آتی،

آبادی حضرات کی آبادی حمرہ کو چھوڑ کر تین لاکھ ہے، اور یہ اجتماعی زندگی کے اعتبار سے تین قسموں
پر منقسم ہے،

پہلا طبقہ عوامی سادات کا ہے، جو شہر میں یہاں آکر آباد ہوئے، ان کے علاوہ کچھ حضرمی
قبائل ہیں جو ان میں مل گئے ہیں اسی جماعت میں ارباب علم و فضل اور صاحب اقتدار اشخاص پیدا ہوئے،
جنہوں نے مدارس، مساجد اور خانقاہیں وغیرہ بنوائیں اور علم و ارشاد کی روشنی پھیلا کر اصلاحات کیں،
وراثت اور نکاح کے معاملات انہیں کے ہاتھوں انجام پاتے ہیں،

دوسرا طبقہ زراعت پیشہ، اہل حرفہ اور حاکمون کا ہے، یہ لوگ اور پہلا طبقہ باہمی اختلاف اور
مقدمات وغیرہ فیصلہ کرتے ہیں،

تیسرا طبقہ مسلح آبادی کا ہے، اور یہی یہاں کی بدامنیوں اور فتنہ و فساد کے ذمہ دار ہیں، اگرچہ
ان میں بہت سے سچے لوگ اصلاح کے خواہشمند ہیں، لیکن عام مطلق العنانی کے سامنے مصلحین کی جتنی
بعض بڑے قبائل کی چھوٹی شاخیں الگ الگ سرداروں کی ماتحتی میں آباد ہیں، پھر متحد قبائل
کا ایک رئیس اعلیٰ ہوتا ہے، ان میں ہمیشہ آپس میں ہنگامہ آرائی رہتی ہے، لیکن یہ بڑی خوبی ہے، کہ
غیر کے مقابلہ میں سب متحد ہو جاتے ہیں،

نکاح اور وراثت کے علاوہ تمام مقدمات ان کے خاص رسم و رواج کے مطابق فیصلہ جوتے
ہیں، جو قانون کی شکل میں لوگوں کو حفظ ہیں،

زبان حضرات کی عام زبان عربی ہے لیکن عرب کے دوسرے صوبوں کی طرح بگڑی ہوئی مگر
نجد وین سے فصیح ہے، اور ہر شہر کی ایک خاص بولی ہے جسکا لب و لہجہ دوسرے سے متاثر ہے،
یہاں کی عامی زبان میں بہت سے الفاظ ایسے ہیں، جسکا لغت میں کہیں پتہ نہیں، لیکن میں سب بی
اوزان پڑا اور اسی قاعدہ سے بولے جاتے ہیں اتنا ہم یہ زبان فصاحت سے گری نہیں ہے،

علوم و فنون یہاں کی عام زوال پذیر حالت کی وجہ سے علوم و فنون کا چرچا کم تھا، لیکن چند برسوں
سادات میں کچھ ترقی کی انگ پیدا ہو چکی ہے، اور انھوں نے جا بجا مدارس کھول کر اشاعتِ تعلیم
کی طرف قدم بڑھایا ہے، جس میں خاطر خواہ کامیابی بھی ہو رہی ہے، لیکن ابھی اس سے بہت زیادہ
جد و جہد کی ضرورت ہے، قی الحال ان مدارس میں نحو، فقہ، اور بقدر ضرورت تفسیر و حدیث سے زیادہ
تعلیم نہیں ہے، اگرچہ اس وقت بھی یہاں علماء اُردو، اور شعراء کی کمی نہیں ہے لیکن ابھی تعلیم کے بہت سے
مراسل باقی ہیں،

امن | چونکہ حضرموت میں کوئی مستقل حکومت نہیں رہتی، اس لیے عام بد امنی ہے، اور قتل و خونریزی کا بازار ہمیشہ گرم رہتا ہے خصوصاً متوکل علی اللہ حاکم مین کی فوجی قوت ہٹنے کے بعد سے لوٹ مار چوری اور لوٹ پوٹ بہت عام تھی، لیکن اب چوری اور ڈاکہ کی وارداتیں کم ہو گئی ہیں، تاہم ان تمام بد امنیوں کے باوجود قافلہ داروں کی گزرگاہیں بہت پر امن ہیں، لوگ بلا خوف و خطر سونا اچھالتے پھرتے ہیں اور کوئی نہیں پوچھتا، حتیٰ کہ اگر ان راستوں پر کوئی شخص دشمنی سے کسی کو مار ڈالے، تو اس کا مال و اسباب اس کے ورثہ تک پہنچا دیا جاتا ہے، اس کا سبب یہ ہے کہ بد دیون کا دار مدار اونٹوں کے گریہ پر ہے، اگر اس میں کوئی رکاوٹ ہو تو ان کو روزی نہ میسر آئے،

حکومت اور اسکی تاریخ | جدید حضرموت میں حکومت کی ابتدا کشری حکومت سے ہوتی ہے، اسکو آل عبداللہ کے نام سے بھی موسوم کیا جاتا ہے، یہ حکومت وہاں عرصہ دراز تک حکمران رہی، امام متوکل مینی نے اسکو بڑی تقویت پہنچائی، اس نے کشری حکومت کے تمام دشمنوں کا قلع قمع کر دیا، اور صرف اس شرط پر اسکو علی حالہ قائم رکھا کہ وہ مینی حکومت کی اطاعت گزاری، شرع محمدی کی حفاظت اور اسکی بقا کی ذمہ دار رہے،

اس حکومت کے بعض حکمرانوں نے بڑا نام پیدا کیا، ان میں سلطان بدر بن عبداللہ بن جعفر بن عبداللہ بن علی عمر الکندی، ابوودد اللہ خاص طور پر قابل ذکر ہے، اسی شخص نے پہلے ترکوں کا قدم حضرموت میں نہ بھنے دیا، لیکن پھر اطاعت قبول کر لی اور شہر اور پرتگال کے سرکہ کے یورپین قیدی ہدیہ تسلیم بھیجے، اور زید کے سرکہ میں اپنی فوج سے ترکوں کی مدد کی، اور سلطان سلیمان کے عہد میں پورے مین کو ترکوں کا اطاعت گزار سلطان بدر کے بیٹے عبداللہ نے بغاوت کی اور باپ کو معزول کر کے خود حکمران بن گیا، اس کے بعد اس کا بیٹا جعفر تخت نشین ہوا، لیکن شہد میں قتل کر دیا گیا، پھر اس کا چچا عمر دین بد حاکم ہوا،

حکومت اپنی آل کے کثیر کے بعض حکمرانوں نے اپنی فوجی قوت مضبوط کرنے کے لیے حمیر کی ایک شاخ یا فنع کے

کچھ لوگوں کو لا کر فوج میں بھرتی کیا تھا، ان لوگوں کو حضرت کچھ ایسا بھایا کہ پھر وطن واپس نہ گئے، بلکہ اپنے قبیلے کے اور بہت سے آدمی بلائے، اور ان کی ایک چھوٹی سی بستی آباد ہو گئی، اور آہستہ آہستہ اپنی قوت بڑھا کر متحدہ دمواسیات پر قابض ہو گئے، رفتہ رفتہ اس قدر زور پکڑ لیا کہ سلسلہ مین آل کثیر کو نکال کر شہر پر قابض ہو گئے، اور ۳۶ سال تک حکومت کرتے رہے، لیکن حکومت کے نشہ میں شریعت کو پس پشت ڈال دیا، اور وہاں کے معزز طبقہ علوی سادات اور علماء کے ساتھ نازیبا سلوک کرنا شروع کیا اور جوڑ ستم کی مشق شروع کر دی، آخر کار لوگوں نے عاجز ہو کر آل کثیر کی حمایت کر کے ان کو نکال دیا،

آل بریک | سلسلہ مین آل بریک یا فنع کی ایک شاخ نے شہر میں قدم بڑھانا شروع کیا، اور کچھ دنوں کے بعد پورا قلعہ ہو گیا، اور سلسلہ مین اس سلسلہ کا آخری فرمان روا علی بن ناجی بن بریک تخت نشین ہوا، سلسلہ مین سید الحق بن عقیل چار سو ترکی سوار دن کا دستہ لیکر جدہ سے شہر کی طرف چلا، لیکن سمندر کی طغیانی کی وجہ سے ساحل تک نہ پہنچ سکا، اس لیے اسی کے قریب ایک مقام پر اتر گیا، وہاں آل بریک سے مقابلہ ہوا، لیکن شکست کھا کر بھاگا، اور طغیانی فرو ہونے کے بعد پھر شہر کے قریب اتر آکے اور لوگ بھی اسکی مدد پر تیار ہو گئے، لیکن کساوی یا فنعی نقیب مکلا نے سب کو مار کر بھگا دیا اور سید الحق ناکام واپس ہوا، بالآخر سلسلہ مین سلطان غالب بن محسن کشری نے بزدل شمشیر نکال کر باہر کیا، اور ۸ سال حکومت کرنے کے بعد آل بریک کا شہر سے خاتمہ ہو گیا،

سلطان غالب | سلطان غالب اس استیلا کے پہلے، حیدر آباد دکن میں فوجی عہدہ پر مقرر تھا، نواب نظام تھا، شجاعت و بہادری اور حسن اخلاق کے زیور سے آراستہ تھا، وہاں اس نے بڑی دولت کمائی، اسی دولت کے زور سے اس نے آل بریک کو شہر سے بے دخل کیا،

قطعی خاندان کی حکومت | حاجی عمر بن عوض قطعی یا فنع کا ایک شخص تھا، اور حضرمی امرا میں اس کا شمار تھا، عرصہ تک حیدر آباد میں رہا، سلسلہ مین اس نے شہر میں قطعی حکومت کی بنیاد ڈالی، اسکی ابتدا اس طرح

ہوئی کہ سلطان غالب کے عہد میں جو بانی حضرت موت سے نکال دیئے گئے تھے، ان کو پھر اس نے حضرت موت کے
 اس پاس کے باقی ماندہ مقامات میں بلا کر آباد کیا اور انکی قدر افزائی اور اعزاز و کرامت میں کوئی دقیقہ نہیں
 اٹھا رکھا، اس حسن سلوک سے بہت سے مافی اکر دوبارہ بس گئے، اور زور پکڑنے کے بعد ۱۲۵۲ھ میں شام پر
 قبضہ کر لیا، حاجی عمر کے تین لڑکے تھے عوض، صالح، اور عبداللہ اور یہ سب اپنے والد کے نقش قدم پر چلتے تھے
 جاہ و ثروت اور اثر و اقتدار کے اعتبار سے بھی ممتاز تھے، حضرت موت کے روحانی پیشوا آل کثیر کی بعض ناریبا
 حرکتوں کی وجہ سے ان کے مخالف جو رہے تھے اور ان کے مخالفین کی امداد پر تیار تھے، چنانچہ انھوں نے امیر
 عوض کی امداد سے حضرت موت کے کنارہ کا پورا علاقہ مہرہ کے مشرقی سمت سے لیکر وادی حجر تک لے لیا
 ۱۲۵۸ھ میں امیر موصوت نے ایک لشکر جوار لیکر جہین ہندوستانی بھی شامل تھے، شہر پر حملہ کر کے
 آل کثیر کی حکومت کا ہمیشہ کے لیے خاتمہ کر دیا، اس تاریخ سے یاغی حکومت کا نیا دور شروع ہوا، اور انگریزوں
 نے امیر عبداللہ سلطان عوض کے بھائی سے خواہ کتابت شروع کی، اس وقت سے حکومت کا رتبہ برابر
 برکتا گیا تا آنکہ ۱۳۱۵ھ میں حجر پر بھی قبضہ ہو گیا اور ہر طرح سے حکومت مضبوط و مستحکم ہو گئی، ۱۳۲۵ھ میں سلطان
 عوض نے وفات پائی، اس کے بعد اس کا بیٹا سلطان غالب اس کا جانشین ہوا، اور اپنے باپ کے نقش
 قدم پر چلتا رہا۔

موجودہ حکومت سلطان عوض کا لڑکا عمر حضرت موت کا موجودہ حکمران ہے، اور دوین، قطن، شہام، حجر
 اور ابن دھار کے علاوہ پورا ساحلی علاقہ عین یا مسجد تک اس کے مالک محروسہ میں شامل ہے،
 اگرچہ اب حضرت موت میں آل کثیر کی حکومت نہیں ہے تاہم ایک معاہدہ کے رو سے وہ تریم اور
 سیون کے حکمران میں یہ دونوں مقام حضرت موت کے ممتاز شہروں میں ہیں، اگرچہ آبادی کے اعتبار سے یہ
 چھوٹے ہیں لیکن جس قدر ہے، اس میں اب علم و ثروت زیادہ ہیں،
 بہت سے شہر و قصبے قبائل جو مختلف گروہوں، جماعتوں، اور

قبائل سے مرکب ہیں، علیحدہ علیحدہ اپنے اپنے زمین آباد ہیں اگرچہ یہ موجودہ حکومت کے ماتحت نہیں ہیں
 تاہم اسی سے ملحق سمجھے جاتے ہیں۔

ان آبادیوں اور شہروں کے علاوہ حضرت موت کے ایک وسیع رقبہ زمین میں جو بہت کم حیثیت
 ہے کسی کی حکومت نہیں ہے بلکہ ہر ہنگامے کا ایک ایک رئیس ہے،

آثار قدیمہ | چونکہ حضرت موت پر تمدن کے مختلف دور گذر چکے ہیں، اس لیے وہاں بہت سے آثار قدیمہ پائے
 جاتے ہیں، جسے وہاں کی تاریخ پر تاریخی کتابوں سے زیادہ روشنی پڑتی ہے، چنانچہ چند برسوں سے
 حمیر کے قبرستان میں سیلاب کی وجہ سے سونے چاندی، پتھر اور بیش قیمت جواہرات کے بہت سے اہم
 آثار قدیمہ نکلے ہیں، لیکن افسوس ایدہ گرانقدر یادگارین بہت سستے داموں اعلان اور ہندوستان میں
 فروخت ہو گئیں، اور بہت سے سونے چاندی کے سکے زیورات اور بہت سے عربوں نے پگھلا ڈالے ان کے
 علاوہ بہت سے سنگی کتبے بھی برآمد ہوئے ہیں لیکن ان کے متنی اب تک حل ہو سکے،

حصار مدائن | حضرمیوں کی قدیم تاریخوں سے انکی سیاحت اور ہجرت پسندی کا بہت قدیم زمانہ
 سراغ ملتا ہے، قبل از اسلام مواصلات شمال اور شمالی افریقہ ان کے جولانگاہ تھے، اور فتوحات اسلامیہ کے
 بعد عراق، مصر، سوڈان اور اندلس وغیرہ میں پھیلے رہے اس سلسلہ میں اشاعت اسلام کی گرانقدر
 خدمات انجام دیں، چنانچہ حبشہ، صومال، اور شمالی افریقہ سے لیکر خصوصاً برما، سیام، سماٹرا، جاوہ، اور
 فلپین اور اس کے قریب و جوار میں کروڑوں آدمیوں نے ان کی کوششوں سے اسلام قبول کیا،
 ان مقامات میں حضرمیوں کا بڑا اثر تھا،

حضری بدو | حضرت موت کے بادین نشین بدو اپنے تمام اوصاف و خصائل میں عام عربوں کے مشابہ
 ہیں، اور جن مقاموں میں ان کی کثرت ہے وہاں کی حکومت ان پر پوری نگرانی رکھتی ہے، چنانچہ
 عرصہ تک جاوہ کی حکومت اس بارہ میں پریشان رہی اور آخر میں اس نے اپنے قوانین اور عدل

انصاف کو نظر انداز کر کے ان پر طرح طرح کی سختیاں اور قید و بند عائد کیں تاکہ مشہور مستشرق ہارگرڈ نے اس مسئلہ کی طرف توجہ کی اور ایک حد تک حکومت کی بدظنی دور کر کے ان دونوں میں خوشگوار تعلقات قائم کرانے کا عزم شکب ارسلان نے حاضر العالم الاسلامی کے ذیل میں اسی پر کچھ روشنی ڈالی جو جس کا خلاصہ یہ ہے کہ حکومت ہالینڈ جاوہ میں حضارہ کے مسئلہ کو بہت اہمیت دیتی ہے اور اس طرف پوری توجہ صرف کرتی ہے اس کو ان کی آمد و رفت سے سب سے بڑا خطرہ یہ ہے کہ مبادا یہ لوگ دعوت اسلام کا سلسلہ نہ شروع کر دیں اور وہاں کے بھولے باشندوں کو بیدار کر کے ایسی خیزدن کی طرف نہ متوجہ کر دیں جن سے وہ لوگ ابھی تک غافل ہیں چنانچہ اس خطرہ سے بچنے کے لیے اس نے حضریوں پر طرح طرح کی قیود عائد کر دی ہیں اول تو جاوہ کے داخلہ میں صدمہ ہار کا دھن پیدا کر دی ہیں اور اگر اس پر بھی وہ لوگ آجاتے ہیں تو ان کی نقل و حرکت کی پوری نگرانی ہوتی ہے حتیٰ کہ ان حضریوں سے بھی جو عرصہ دراز سے وہاں کے مستقل باشندے ہو گئے ہیں حکومت مطمئن نہیں ہے اور یہ لوگ بھی انکی نگاہ میں کھٹکتے رہتے ہیں کہ کہیں وہاں کی سادہ مزاج مسلم آبادی کو بیدار کر کے ہالینڈ کی استعماریت کو خطرہ میں نہ ڈال دیں اور آئندہ اس کو دشوار یوں کا سامنا کرنا پڑے چنانچہ ان کو بھی ایسی سخت بندشوں میں جکڑ دیا ہے کہ ان کی زندگی تلخ ہو گئی ہے تاکہ کسی طرح سے پھر یہ لوگ اپنے اپنے وطن واپس چلے جائیں پروفیسر ہارگرڈ نے اس مسئلہ پر اظہار خیال کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ :-

”حضارہ پر قیود عائد کرنا سرے سے عدل و انصاف کے منافی نہ تھا اسکے چند در چند اسباب تھے لیکن حکومت انکی طرف متوجہ نہ ہوئی اور چند شرط لگا دی تاکہ ان کو داخلہ کی اجازت دیدی جسکی رو سے یہ آسانی سے قیام کر سکتے تھے لیکن اجازت کے بعد انکی نقل و حرکت کی نگرانی میں ایسی سختی برتی جو ناقابل برداشت حد تک پہنچ گئی اور جو لوگ اس امور سے ان کی سیاست مختلف تھی اور اسی پر حضارہ کیساتھ سختی و نرمی کا دار و مدار تھا اور اب وہ اس حد تک پہنچ گئی کہ عربوں کا امن و امان خطرہ میں پڑ گیا ہے۔“

غالب و صہبائی کے خطوط

مولوی ضیاء الدین احمد صاحب برنی بی اے بمبئی

گذشتہ دسمبر میں دہلی کے زمانہ قیام میں بعض کتابوں کی تلاش کے سلسلے میں مجھے مولوی سید منور الدین صاحب سے ملنے کا اتفاق ہوا جو مرحوم خان بہادر شمس العلماء مولوی ضیاء الدین خان صاحب اہل اہل ڈی کے صاحبزادے ہیں یہ صاحب کئی لحاظ سے اپنے والد ماجد کے نقش ثانی کہے جاسکتے ہیں خود بھی اہل قلم ہیں اور وسیع مذہبی معلومات رکھتے ہیں اگرچہ انھیں عام علما کی طرح اپنے علم کا ذرا بھی ادعا نہیں انکے والد ماجد اپنے زمانہ کے زبردست مستشرق تھے اور ریاضی کی جملہ فروغ میں یکتائے زمانہ تھے ان کی عربی کی قابلیت کا اہل عرب پر بھی سکے بیٹھا ہوا تھا انکی اعلیٰ علمی تفصیلت ہی کا نتیجہ تھا کہ انڈینز کی یونیورسٹی نے انھیں اہل اہل ڈی کی ڈگری عطا کی جو صرف نامور اديبوں اور بہترین انشا پردازوں کو دی جاتی ہے مرحوم نہ صرف صاحب تصنیف تھے بلکہ اعلیٰ درجہ کی لائبریری بھی رکھتے تھے جس سے کسی حد تک ان کے علمی ذوق کا اندازہ ہو سکتا ہے ولائبریری اب سید منور الدین صاحب کے تصرف میں ہے اگرچہ روز زمانہ سے بہت سی نایاب کتابیں ضائع ہو گئی ہیں تاہم جو کچھ رہ گئی ہیں سید صاحب حتی الامکان نہایت احتیاط سے ان کی حفاظت کر رہے ہیں ان میں سے ایک کتاب ”کلیات صائب“ ہے جس کے متعلق یہ قیاس کیا جاتا ہے کہ وہ صاحب ہی کے قلم کا نتیجہ ہے اس لیے کہ اس میں شاعر نے بعض اشعار قلمزد کر کے ان کی بجائے نئے اشعار حاشیہ پر تحریر کئے ہیں اس کے علاوہ اور بھی بہت سی نادر قلمی کتابیں ہیں سید صاحب کے پاس دہلی سرسنگی کی شائع کردہ اردو کی کتابیں بھی موجود ہیں اور چونکہ اردو شریات کی تاریخ میں وہ نمایاں

حیثیت رکھتی ہیں۔ ایسے ان کا خیال ہے کہ اگر ملک کی ممبر بریاں انھیں خرید لیں اور اس طرح سے انھیں محفوظ کر دیں تو یہ اردو کی بہت بڑی ادبی خدمت ہوگی، مزید برآں انھوں نے نہایت محنت سے اپنے والد مرحوم کی باقی ماندہ کتابوں کی فہرست بھی مرتب کر لی ہے اور جو صاحب انھیں خریدنا چاہیں انھیں اس فہرست سے ایک گونہ ادا ملے گی، اس کے علاوہ سید صاحب کے پاس مشہور انشا پردازوں اور فضلاء کے خطوط کا بہت مقول ذخیرہ بھی موجود ہے، واقعہ یہ ہے کہ مولوی صاحب مرحوم اپنے زمانہ کے اکثر علماء کے ساتھ خط و کتابت رکھتے تھے یہ مجموعہ اگر چھپ گیا تو انشا و ادب کا بہت قیمتی سرمایہ ثابت ہوگا، ان خطوط کو بھی تنگ ترتیب نہیں دیا گیا ہے، لیکن جب انھیں مرتب کیا جائے گا تو یقین ہے کہ ایسے ایسے خطوط ناچکین کے جو مشاہیر زمانہ کے حالات زندگی اور بہت سے ادبی مسائل پر حاوی ہوں خود مولوی صاحب کے خطوط کا مجموعہ ادبی حیثیت سے ایک نعمت ثابت ہوگا، سید صاحب نے میر سے اس مشورہ کو قبول کر لیا ہے کہ جب وہ اپنے سلسلہ کتب یعنی تدوین فقہ کے اہم کام سے فراغت پالیں گے، تو اس وقت اس نایاب ذخیرہ کی جانب اپنی توجہ مبذول کرینگے اتفاق سے اس ذخیرہ میں سرسری تلاش کے بعد غالب کے دو خطوط نکل آئے ہیں جو غالباً اردو کے معنی کے مروجہ ایڈیشن میں درج نہیں ہیں، اس طرح سے خدا جانے اور کتنے خطوط ہونگے جو اس میں درج ہونے سے رہ گئے ہیں، بہر حال یہ اصلی خطوط ہیں جو غالب کی حروف ساتھ محفوظ ہیں جو ان کی صحت کا بہترین ثبوت ہے، مجھے امید ہے کہ نہ صرف غالب کے پرستار ان خطوط کا دلچسپی سے مطالعہ کرینگے بلکہ وہ لوگ بھی جو غالب کے معاملہ میں غلو نہیں رکھتے ان کے مطالعہ سے یکساں مستفید ہونگے، علاوہ ان میں صہبائی مرحوم کا بھی ایک خط دستیاب ہوا ہے جسے میں تبرکاً پیش کرتا ہوں اس وقت غالب کا صرف ایک خط پیش کیا جاتا ہے اور

دوسرا خط بعد کو ہدیہ ناظرین کیا جائے گا، میر سے خیال میں یہ اور اس قسم کے دوسرے خطوط و تحریرات قومی سرمایہ ہیں اور ہمارا فرض ہے کہ جہاں تک ہو سکے ہم اصل مسودات کو قائم و برقرار رکھیں، اس تمہید کے ساتھ میں غالب اور صہبائی کے خطوط ناظرین معارف کے روبرو پیش کرنے کی عزت چاہتا ہوں،

(ضیاء الدین احمد برنی)

غالب کا خط

مولوی صاحب جمیل النائب جناب مولوی ضیاء الدین خان صاحب کی خدمت میں

بعد سلام عرض کیا جاتا ہے کہ میں عالم نہیں مگر شرفِ علم اور فضیلتِ علماء میرے دشمن ہیں ہے، اور علم کو زبانِ عربی میں منحصر جانتا ہوں، اللہ اللہ علمِ عربی کی وسعت، عسرت و نحو، منطق، فلسفہ، تفسیرِ حدیث فقہ پانچ سات برس تک آدمی اسکو تحصیل کر سکتا ہے یعنی طلب و نجوم و ہیئت و ہندسہ و ریاضی، اور اس کے سوا اور علوم سب عربی زبان میں ہیں۔۔۔۔۔ فارسی زبان بعد تباہ ہونے یز و جود کی سلطنت کے مٹتی گئی یہاں تک کہ بقدر ایک بولی کے رہ گئی۔۔۔۔۔ پارسی جو ہر اس کے عہد سے یز و جود کے عصر تک تھی مفقود بلکہ معدوم ہے، خاطر نشان رہے کہ یہ پارسی زبان جو اب ہند و عرب و عجم میں مروج ہے، واضح اس کے اکابر عرب و عظمائے عجم ہیں، ان واضعون نے اس کے قواعد منضبط نہیں کئے گویا ان دونوں گروہ کے علماء نے بہ اتفاق رائے ہمدگر اس کو ضرور نہ جاننا، اب جو میان انجو اور عبد اللہ اور نیکچند اور آرزو رسائل قواعد فارسی تصنیف کر گئے ہیں، اس کے سوا کہ قواعد منضبط عربی پر مطلق کر دیا ہے، اور کیا کمال کیا ہے، بعینہ ہی حال اردو کا ہے، واضعون نے قواعد منضبط نہ کئے، اب میان روشن علی جو پوری اور ان کی امثال و نظائر ہزار در ہزار رسالے تالیف کر رہے ہیں، خیر یہ جملہ متعوضہ لہ یہ جملہ صاف پڑھا نہیں جاتا، بظاہر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ چند الفاظ گئے ہیں، خط پر کوئی تاریخ درج نہیں ہے۔

تھا، علم فارسی میں کلام ہے، اگر متعلم فہم درست اور ذہن رسا رکھتا ہو تو سال بھر میں تحصیل تمام ہے البتہ بعض
دوسرے شہوری، سکندر نامہ و ریخت زلیخا و اسلام مع الاکرام، ان اس زبان کے دقائق و لطائف
جاننے کو طبیعت کا لگاؤ کہ وہ موہتی ہے اصل محکم اور اس کے بعد رد کی سے لیکر قافی تک کا کلام غور
دیکھنا۔ یہ شخص ایران کا تھا، فاضل تھا، اسکی رحلت کو دس بارہ برس ہوئے ہونگے،

کل جو آپ نے میری زبانی کچھ کلام مجھ سے فرمایا تھا وہ تقریر ناقل کی بدلی ہوئی ہے، میرا قول
یہ ہے کہ عربی کے زور سے فارسی کا علم حاصل نہیں ہو سکتا اور انتہا اسکی جیسا کہ اوپر لکھ آیا ہوں وہی نظم و
نثر ہے، اس علم فارسی کا منشاء مناسبت طبع اور مشاہدہ کلام اہل زبان ہے، وہ وہب اور یہ کسب،
ایک مجلد درفش کا دیانی تذکرہ تاہون تخطیہ اہل فرہنگ و تصحیح لغات کو بھاڑ میں ڈالو، جہاں
سے فوائد شروع ہیں وہاں سے ہر فائدہ کو بغور پڑھو، ترکیب کلمات فارسی بتاتا ہوں اور وہی
تحریر میں لاتا ہوں، نہ تم جاہل ہو نہ نامصنف یقین ہے کہ اپنی جگر کاوی کی داد تم سے پاؤں گھا، آغاز
فوائد کے ورق میں کاغذ واسطے نشان کے رکھ دیا ہے،

نامہ سیاہ اسد اللہ

امام بخش صہبائی کا خط،

مولوی صاحب الطاف نشان مولوی محمد ضیاء الدین صاحب زاد لطفہ،

مید لیسٹ علی صاحب از متو طنان حضرت اجیر خندے است کہ بشوق کسب کمال
دارد شاہجہان آباد دارادہ تحصیل علم حساب در خاطر جائے گیر دارند، رقعہ اخلاص کش را
ذریعہ حصول دولت تلمذ گر داخندہ بخدمت میر سندی اگر نظر تو بہر حال ایشان منبذ و گنج
از تکرار دولت کماے کہ در بیت مبداء فیاض دہرہ عقل فعال است، منشا ژالید را محروم نگزارید، ہم حصول من
دوست دہم قبول التماس من زیادہ دین باب نگاشت صانع خدام دانستہ ہیں کرد،

راقم امام بخش صہبائی

تکچین تہذیب

کیا عمر خیام ایک فسانہ ہے

ایک انگریز کی حیرت انگیز بلیٹ پڑاوی

انگلستان کے بعض خیامی اصحاب نے ایک وفد مرتب کیا ہے کہ وہ نیشاپور جا کر عمر خیام کے مہندم اور
شکستہ مقبرہ کی مرمت اور اسکی حفاظت کا مستقل بندوبست کرے، اس موقع سے فائدہ اٹھا کر ایک مستشرق گمنام
ڈاکٹر ایچ ایملر (Dr. A. H. Miller) نے ایک طویل مضمون اخبار مارنگ پوسٹ میں شائع کیا
اور اس میں یہ بتانے کی کوشش کی ہے کہ فخر جیرلڈ نے جن اشار کا ترجمہ کیا ہے، وہ کسی عمر خیام کی رباعیات نہیں
ہیں کہ دنیا کے شاعری میں اس نام کا کوئی آدمی ہی نہ تھا، اور جس عمر خیام کی قبر نیشاپور میں ہے وہ شاعر نہ تھا،
اپنے اس عجیب نظریہ کو ثابت کرنے کے لیے لائق ڈاکٹر نے اپنی جہالت کا جو حیرت انگیز ثبوت دیا ہے وہ دیر پہلے
کے لیے باعث عبرت ہے، اس مضحکہ خیز مضمون کا مختصر دستک جواب سر ای، ڈی، راس سابق مدرس اعلیٰ
مدرسہ عالیہ کلکتہ اور اب مہتمم مدرسہ السنہ شریفہ لندن نے اسی اخبار میں شائع کیا ہے،

ڈاکٹر میلر کا دعویٰ ہے کہ انھوں نے اس موضوع کی تحقیق میں اپنی حیات عزیز کے تیس سے زیادہ بیش قیمت
سال صرف کئے ہیں، اب اس سی سالہ تحقیق کے نتائج ملاحظہ ہوں :-

”فارسی میں رباعیات کے کیا معنی ہیں؟ رباعیات سے مقصد مختلف اشار کا وہ مجموعہ ہے جو کسی
شخص نے وقتاً فوقتاً ایک جگہ لکھ لے ہوں، یا یوں سمجھیے کہ رباعیات ایک ایسی بیاض کو کہتے ہیں جس میں شافی
اشارہ اپنے پسندیدہ شعر لکھتا جاتا ہے، فخر جیرلڈ نے اسی قسم کی ایک بیاض کو بڑی حد تک اپنا ماخذ بنایا ہے،“

تو پھر اسے عمر خیام کے نام سے کیوں موسوم کیا جائے، یہ ایک ایسا سوال ہے جو میری توجہ مبذول کئے ہوئے ہے۔
اچھا تو یہ عمر خیام جو ۵۰۳ھ سے انگریزی ادبیات میں داخل ہو کر مشہور عالم ہو گیا، کون تھا؟ میں نے ایران کی تاریخ کا مطالعہ کیا ہے، میں نے ادبیات ایران کے دفاتر کی مدنی گردانی کی ہے، میں نے اہل علم ایرانی اصحاب سے اس کے متعلق گفتگو بھی کی ہے، لیکن اس کا نتیجہ یہ ہے کہ تاریخ ایران، ادبیات ایران دونوں کے دونوں اس شاعر عمر خیام کے حالات سے تقریباً خالی ہیں، اس کے حالات زندگی کا بالکل یہ نہیں اور جو کچھ ہے بھی وہ نامر مشکوک ہے جسے کوئی موجودہ مورخ قبول نہیں کر سکتا ہے۔

اس کے بعد ڈاکٹر میلر "رفقائے ثلاثہ" کے قصہ کا حوالہ دیکر اور اسی چیز کو عمر خیام کے متعلق قدیم ترین حوالہ بنا کر لکھتے ہیں کہ "نظام الملک نے خزانہ نیشاپور سے عمر خیام کا ۱۲۰۰ انتقال سونسا لانا مقرر کر دیا، اس کے بعد ملک شاہ نے ہمدانہ کی تعمیر میں اس سے مدد لی اور وہ اس غرض کے لیے "سٹیشن" بنانے لگا۔"

جب ایک طالب علم تاریخ ان بیانات کو دیکھے گا تو وہ اس کو ایک دفتر بے معنی سے بہتر خطاب نہ دے گا، ڈی ہر بوسٹ کا بیان ہے کہ عمر خیام نیشاپور میں ۵۰۳ھ (۱۱۱۰ء) میں مرا، لیکن یہ بات بہت واضح ہے کہ نظام اس کے بعد بھی زندہ رہا، کیونکہ وہ عمر کی وفات کو جو نیشاپور میں ہوئی تھی لکھتا ہے، اچھا تو نظام نے اپنی جیت ۵۱۰ھ کے ابتدائی مہینوں میں لکھی ہوگی کیونکہ وہ اسی سال معزول و شہید ہوا، تو کیا ان حالات میں سوانح عمر خیام کی عبارت بالکل سچ نہیں جاتی؟ !!!

بہت ممکن ہے کہ کہا جائے کہ رباعیات عمر خیام کے جو قلمی نسخے موجود ہیں وہ اس کے وجود کے بہترین ثبوت ہیں، یہ اعتراض صحیح نہیں ہے کیونکہ خود دفتر جو لکھا بیان ہے کہ اس کے قلمی نسخے اس قدر کم و خراب ہیں کہ مغرب کی فتوحات علمی و ملی کے باوجود یہ چیز مشرق سے وہاں صحیح شکل و صورت میں نہ پہنچ سکی۔ چنانچہ خود دفتر پر ہند میں ۱۰۰۰ برس کے قومی کتب خانہ میں اس کا کوئی نسخہ موجود ہے، سب سے قدیم ترین نسخہ بوہلین لاہور میں ۱۵۸۰ء رباعیات میں، نیشاپور میں سوائسنگل کے ایک نسخہ

میں تکرار کے باوجود صرف ۵۱۶ رباعیات ہیں اور اس پر بھی وہ نامکمل ہے، پروفیسر کا دل (Prof. K. A. Nisabur) رباعیات کے قدیم ترین مطبوعہ نسخہ کا جو ۱۸۳۶ء میں کلکتہ میں شائع ہوا تھا حوالہ دیتے ہیں، اس میں ۳۶ رباعیات مشترک تھیں اور ۵۰۴ ایسی تھیں جو دوسرے نسخوں میں نہیں ملتی، کیا یہ تمام باتیں اس بات کی صحیح دلیل نہیں کہ عمر خیام کی تصنیف کا کوئی مکمل نسخہ دنیا میں موجود نہیں ہے، خود مترجم کو اقرار ہے کہ قدیم ترین نسخہ بھی مثلاً کا لکھا ہوا ہے اس کے معنی یہ ہوئے کہ مصنف سے ۳۶۰ سال بعد خود دفتر جبرلڈ نے نہایت ہی ناقص طور سے اس استفادہ کیا ہے، اس کے پہلے آڈیشن میں صرف ۵۰ رباعیات تھیں دوسرے میں ۱۱۰ ہو گئیں اور تیسرے میں ۱۱۱ اور ان میں سے ہر میں اسی بات کا علاوہ اعتراض کیا گیا ہے کہ دفتر جبرلڈ نے بعض رباعیات اپنی طرف سے بنا کر لکھ دی ہیں کہ ان کا اصل قلمی نسخہ میں کوئی ہے نہیں، اب سوال یہ ہے کہ ایک ایسی نظم (یا مجموعہ نظم) کے متعلق جبکہ مصنف ۵۰۳ھ یا ۵۱۰ھ میں مرا ہو جس کے شعر مشرق میں عموماً اور خود اس کے وطن ایران اور اس کے ساتھ ہندوستان میں، ادین صدی تک معروف نہ ہوں جس کے اشعار کی تعداد ۶۳۲ ہے ۲۰۵۴ تک بہ اختلاف نسخہ ہو جبکہ قدیم ترین نسخہ مصنف سے چار سو سال بعد کا ہو ایک محقق کا کیا خیال ہو سکتا ہے اگر ایک فارسی دان غالب علم بوہلین لاہور میں کے نسخہ کو بغور ملاحظہ کرے تو اسے نظر آئے گا کہ یہ مجموعہ حافظ ہمدی، فرید الدین عطار کے منطق الطیر وغیرہ کے اشعار لیکر ایک شیرازی کاتب محمود یار بودگی نے ۱۳۶۰ء میں مرتب کیا تھا، اگر مذہب خیامی ہی کی بنا دینی تھی تو اس کے لیے یک آت مارن حکم ۵۰۳ھ میں بہترین کتاب تھی،

سر اس کا جواب

ڈاکٹر اس نے ان الفاظ میں اس کا جواب دیا ہے:-

"ان اصحاب کے لیے جنہوں نے اپنی عمر عزیز کو ایک خاص موضوع کے مطالعہ کے لیے وقف کر دیا ہو یا یہ کس قدر افسوسناک ہے کہ ان کو دوبارہ پھر ان مسائل کے متعلق جو متعدد و مسکت شہاد توں کے بعد

لفظ ثابت ہو چکے ہیں، پھر تردید ہی بیان دینا پڑے، میں عموماً کسی شخص سے کسی مسئلہ پر بحث کرنا نہیں چاہتا۔
نہ کہ عریضام جیسے موضوع کا جو مستقل حیثیت سے فیصل ہو چکا ہے، اور اب اس کے متعلق بحث کی مطلق گنجائش
باقی نہیں رہی ہے، تاہم میں ڈاکٹر ملر کے خاص واقعات کی تردید کر دینا چاہتا ہوں جنہاں کے تمام دعوے
کی بنیاد ہے۔

۱۔ رفقاء ثلاثہ والا افسانہ عرصہ ہوا آخری مرتبہ ایک مہل وغیرہ تاریخی حکایت ثابت ہو چکا ہے،
۲۔ ہافس اس نظم یا مجموعہ نظم کے متعلق جو اعتراضات ہیں اس کے متعلق کہا جاسکتا ہے کہ:-

تاریخی شہادت

۱۔ عمر خیام تقریباً ۱۱۲۳ء میں مراا اس کے متعلق ایک ایسے شخص کا بیان موجود ہے، جس نے ۱۱۳۲ء
میں عمر سے ملاقات کی اور پھر ۱۱۳۵ء میں اس کی قبر پر گیا،

۲۔ ۱۱۳۵ء، ۱۱۳۶ء، ۱۱۳۷ء، ۱۱۳۸ء، ۱۱۳۹ء، ۱۱۴۰ء، ۱۱۴۱ء اور ۱۱۴۲ء کے مصنفین نے اس کے شاعر ہونیکا

تذکرہ کیا ہے، احمد مغل کے مشہور مورخ جوہنی (۱۱۴۶ء) نے اس کی ایک رباعی بھی نقل کی ہے، ۱۱۴۶ء

کے ایک فارسی بیاض میں اسکی تیرہ رباعیاں دی ہوئی ہیں،

۳۔ یہ ایک فطری بات ہے کہ مختلف بیاض میں اشعار وغیرہ کی تعداد مختلف ہو، اور رباعیات

عمر خیام کی ہر دو تہائی کی اس سے بڑھ کر اور کیا دلیل ہو سکتی ہے کہ دوسرے شعراء کی ہزاروں رباعیاں

اسکی طرف منسوب کر دی گئی ہیں،

۴۔ یہ دیکھتے ہوئے کہ تیرہویں صدی سے پہلے کے چند ہی فارسی کتابوں کے نسخے ہم تک پہنچے

ہیں یہ بھی ایک قدرتی امر تھا کہ اس کے قدیم نسخے ہم تک نہ پہنچ سکیں، فارسی شاعر کے باوجود آدم رودکی

کے اشعار دشمنی پیدا کے صرف گنتی کے اشعار ہم تک پہنچے ہیں،

۵۔ عمر خیام کی متعدد علمی تصانیف تھیں جنہیں سے صرف دو مکمل صورت میں ہم تک پہنچی ہیں ان میں

سے ایک ترجمہ مقالہ میں ہے جو فرینچ ترجمہ کے ساتھ شائع ہو چکی ہے اور دوسری اقلیدس کی تعریفوں پر اس کا نقلی
نسخہ لندن میں ہے،

۱۔ رہا فز جیر لڈ کے ترجمہ کا سوال، سو دینا جانتی ہے کہ اس نے کوئی نقلی ترجمہ نہیں کیا، بلکہ بعض جگہ تو ایک

سے زیادہ رباعیوں کو ملا دیا، اسکے علاوہ مسٹر ہرن الین (Mr. Heron Allen) نے عمر خیام کی رباعی کا شعر

میں ترجمہ کر کے یہ صاف طور سے بتا دیا ہے کہ فز جیر لڈ نے کس رباعی کا کس طرح

ترجمہ کیا ہے،

اس کے بعد ڈاکٹر اس نے لائق پروفیسر کو نہایت ہی سنجیدگی سے یہ بتایا ہے کہ رباعی کسی بیاض کو

نہیں کہتے بلکہ وہ ایک صنف شاعری ہے اور اسی کی جمع رباعیات ہے، اکثر شعراء نے رباعیاں لکھی ہیں اور

ان کی وفات کے بعد وہ جمع کی گئی ہیں،

اسی سلسلہ میں یہ بھی بتا دینا چاہیے کہ یہ کبرئج کے پروفیسر کا دل ہی تھے جو انگلستان کے بہترین

وقابل فخر مشرقین میں سے ہیں، جنہوں نے فز جیر لڈ کو عمر خیام سے روشناس کیا، اور اس کے مطالعہ میں اسکی

مدد کی، تاہم فز جیر لڈ نے بعض مواقع پر فارسی نہیں سمجھی، چنانچہ اسکی بعض رباعیاں فارسی کا غلط ترجمہ ہیں،

مثلاً ایک رباعی میں اس نے "صحرا" کے معنی دشت و بیابان کے لیے ہیں، اور تنہائی کا مفہوم پیدا کرنے کی

کوشش کی ہے، حالانکہ وہاں پراس سے مقصد دیہات کی کھلی فضا ہے،

کیا ہمارے وہ دوست جو یورپ کے ہر شائع ہونے والی تحریر کو دقیق و صحیح تر سمجھتے ہیں ڈاکٹر ملر کے قدم

سے عبرت حاصل کریں گے،

مسلمانان روس

مسلم کرائیکل کلکتہ کا ہفتہ وار اخبار ہے، ایک سال سے بھی کم عرصہ میں اس نے اپنی بلندی

میٹرا سنجیدگی بیان بصحت رائے، دوست معلومات اور ادبی چاشنی کی وجہ سے ہندوستان کے

انگریزی صحافت میں خاص درجہ حاصل کر لیا ہے، اسی رسالہ کے یہ فردی کی اشاعت میں مشہور مسلم انگریز خاندان کے
نے ادنیٰ کی درخواست پر مسلمان روس کی حالت پر تین جیتون سے روشنی ڈالی ہے، یعنی آبادی، تعلیم، تجارت

آبادی

۱۹۱۰ء میں جو مردم شماری ہوئی تھی اس کے مطابق ریاستہائے مشترکہ روس میں مسلمانوں کی تعداد
۱۶۸۰۰۰۰ ہے اس کے ساتھ یہ بات بھی ملحوظ خاطر رکھنی چاہیے کہ مردم شماری قومی اصول پر لگائی ہے۔
اس لیے اس میں وہ مسلمان شریک نہیں ہیں جو قومی حیثیت سے ایک دوسرے مذہب کی اکثریت والی جماعت
میں شریک ہیں۔ اس لیے ۱۲ فیصدی کا مناسب جو مجموعی تعداد کے اعتبار سے مسلمانوں کو دیا گیا، حقیقتہً کم ہے، مندرجہ
ذیل اعداد مسلم نسوں کا حال بہتر ظاہر کرتے ہیں۔

نس	فیصدی	نس	فیصدی
تاتار	۳۷	کلک "بریت" یا قوت	۲۴
کرغیزی	۳۱	ازبک و ترکمان	۲۶
شکر	۱۲	چرکس وغیرہ	۱۱

میزان ۱۲۲۰

تعلیم

مندرجہ ذیل نقشہ ظاہر کرتا ہے کہ فی ہزار مسلمانوں میں کتنے مسلمان تعلیم یافتہ ہیں۔

نس	تعداد فی ہزار	نس	تعداد فی ہزار
تاتار	۱۸۹	شکر	۹۲
منزل	۱۴۳	چرکس	۵۰
روستائیں	۱۴۰	کلک	۴۲

نس	تعداد فی ہزار	نس	تعداد فی ہزار
ترکمان	۵۶	کاربار دین	۲۱
کرغیزی	۲۵	"	"

قبل از جنگ کی حالت سے موازنہ کیا جائے تو پتہ چلیگا کہ تعلیمی حیثیت سے مسلمانوں نے خاصی ترقی
کی ہے، قبل از جنگ میں موجودہ جمہوریہ تاتار کے علاقہ میں کل ۱۲۶۲ مدرسے تھے، ان میں سے ۱۱۸ روسی
تھے، ۲۵۰ تاتاری اور ۸۹ دوسری اقوام کے۔

اب (جنوری ۱۹۱۰ء) اسی علاقہ میں ۲۰۰۵ صرف ابتدائی مدارس میں ہیں، ۹۴ فیصدی تاتاری ہیں
ان میں ۱۰۰۰۰ طلبہ پڑھتے ہیں، ان کے علاوہ ۲۵ مدارس ثانویہ ہیں، ان کے طلبہ کی تعداد ۳۴۳۴۴ ہے،
۳۶ مدارس سات سال کے بچوں کے لیے ہیں، اور ان میں ۸۲۱۹ طلبہ ہیں، مدارس نو سال کے بچوں کے لیے
ہیں اور وہ ۸۹۲۴ ہیں، ۱۱ مدارس نوجوان کسانوں کے لیے ہیں، اور ۱۴ مکتب چھوٹے بچوں کے لیے ان میں
سے ۱۰ تاتاری ہیں۔

اعلیٰ تعلیم کی حیثیت سے کالجوں، جماعتی مدرسوں اور انجمنوں میں ۲۹۳۸ تاتار، ۳۸۶۸ روسی اور ۶۰
دوسری اقوام کے طلبہ ہیں، یہاں کے چار جاموں کے طلبہ کی تعداد ۴۶۶۴ ہے، ان کے ساتھ تین سودہاتی
تعلیمی کمرے ہیں، ۶۵۰۰ انجمنیں جہالت کو دور کرنے کے لیے ہیں، ۴۸۱ مکتب خانے اور ۱۲۲ مدارس اساتذہ ہیں
ان کے علاوہ تھیسٹر، بالکوپ وغیرہ بھی اپنا اشاعت تعلیم کا فرض انجام دے رہے ہیں۔

اس علاقہ میں جو آج وسط ایشیائی جمہوریہ کے نام سے معروف ہے، قبل از جنگ مسلمانوں کے لیے
میں سو مدارس اور تقریباً تین سو مسلم طلبہ دوسرے مدرسوں میں بھی ہونگے، اب ان کی تعداد کا یہ حال ہے،

مسلم مدارس	۶۴۳	تعداد طلبہ	۴۵۰۰۰
ملکہ تعلیم مناشری کے مدارس	۱۵۹۶	"	۹۱۶۲۱

تعلیم سیاسی

۴۴

تعداد طلبہ

۲۳۷۰

صنعتی مدارس

۲۹

۳۴۶۵

جمہوریہ بریت میں تو پہلے ہی سال تعلیم عام کر دی گئی اور امید ہے کہ ۱۹۳۳-۳۴ء تک یہ کام مکمل ہو جائیگا۔

۱۹۲۳-۲۴ء میں ۵۵ مدارس تھے ۱۹۲۵-۲۶ء میں ۶۰ ہوئے اور اب ۱۹۲۶-۲۷ء میں ۶۶ ہوئے اور ۱۹۳۳-۳۴ء تک

ان کی تعداد ۸۰۰ تک پہنچ جائے گی اس کے علاوہ دو مدارس اساتذہ وغیرہ بھی ہیں۔

جنوبی اوسٹرائل میں نیرانیہ کی نصف رقم قومی تعلیم پر صرف کی جاتی ہے اہم ترین زبان کل ۸

مدارس تھے اور اب ۱۴۶ ہیں ان کے علاوہ جاپون کے لیے ۱۵۰ مرکز قائم کئے گئے ہیں اس کے علاوہ بہترین

بات یہ ہے کہ خود اسی زبان میں درسی کتابیں لکھی جا رہی ہیں، رہا جر کسی علاقہ سوہیان بھی کافی تعلیمی ترقی ہوئی ہے

اخبارات

جمہوریہ تاتاری میں ۱۸ اخبارات ہیں ان میں سے تاتاری زبان میں ہیں، مرکزی دارالاشاعت جو

اخبارات شائع کرتا ہے ان میں مندرجہ ذیل قابل ذکر ہیں:-

۱- یشے، ہفتہ میں ۵ بار تعداد اشاعت تقریباً ۴ ہزار ،

۲- اگن شلیار و کسانون کا ہفتہ وار اخبار ۸ ہزار ،

۳- یش یشے، ہفتہ وار اخبار ۲۵۰۰ ہزار ،

۴- کش کینا ابہ نشبار، ماہوار رسالہ ۳۵ ہزار ،

ان کے علاوہ متعدد مرکزی تاتاری شہروں سے متعدد اخبارات شائع ہوتے ہیں،

ہم یہ بھی بتادینا چاہتے ہیں کہ تاتاری زبان میں معاشرت، سیاسیات، اقتصادیات، انسانیات

وغیرہ پر بہت سی کتابیں شائع ہو چکی ہیں، ادبیات، فنون لطیفہ، علوم لغات، درسی کتابوں کا

بھی بڑا ذخیرہ جمع ہو گیا ہے۔

باشنوک حکومت نے مذہبی معاملات میں ہر شخص کو کامل آزادی دے رکھی ہے اور پیر و ان اسلام کو بھی یہ مراعت حاصل ہے۔

معارف :- منعمون بالا پر ایک عنوان اور بڑھانے کے لائق ہے اور وہ روس کی اسلامی جمہوریہ

کا بیان ہے اور بڑھانے کو پہلے سفر جہاد میں جب روسی مسلمان باشنوک سفیر فلکی سے ملنے کا اتفاق ہوا

تھا تو ان سے یہ فہرست حاصل کی تھی اس وقت روس میں حسب ذیل اسلامی جمہوریتیں ہیں جنکی بنا قومی

نسل پر رکھی گئی ہے۔

۱- تاتارستان پایہ تخت شہر قازان

۲- باشقردستان شہر اوفان

۳- قرغزستان یا قازقستان شہر اورنبرگ

۴- کریمیا شہر سیمفروپل

۵- داغستان شہر ولادی تفقاز

۶- آذربائیجان شہر باکو

۷- آجاریستان شہر باطوم

۸- اوزبکستان شہر سمرقند

۹- ترکمانستان عشق آباد

۱۰- تاجیکستان خجند

۱۱- خنوا شہر خنوا (خوارزم)

احباب علیہ

لندن کی تصویریں نمائش، ان دنوں لندن کے ایک مشہور مکان برنگلٹن میں فلمی اور بلجین معجزین کے شکاروں کی نمائش ہو رہی ہے، یورپ کی پانچ حکومتوں نے اس میں حصہ لیا ہے، ان کے علاوہ امریکہ کے شوقین کردہ بیوں نے بھی اس کو کامیاب بنانے کی کوشش کی ہے، اندازہ کیا گیا ہے کہ ان تصاویر کی مجموعی قیمت ایک کروڑ پونڈ یعنی تقریباً ۱۰ کروڑ روپے ہوگی، ان میں قسردن ادنیٰ کی جو تصاویر ہیں، وہ مذہبی ماحول و اثرات کو بہت نمایاں طریقہ سے ظاہر کرتی ہیں،

گھاس کی گھڑی، اخبار ڈیلی میل کے نامہ نگار خصوصی نے اپنے اخبار کو سٹراز برگ سے مطلع کیا ہے کہ مقام گو سٹراز برگ کے ایک گھڑی بنانے والے کارل شرٹ (جرمنی) نے دو سال کی مسلسل محنت کے بعد گھاس کی ایک گھڑی بنائی ہے جس کا نہ صرف چہرہ اور سویان گھاس کی ہیں، بلکہ اس کا ڈھانچہ گھٹنہ اور تمام دوسرے پرزے بھی اسی کے ہیں، گھڑی صحیح دقت دیتی ہے،

اسی سلسلہ میں یہ معلوم کرنا بھی دلچسپ ہو گا کہ اہل جرمنی نے ہاتھ گھڑی کے عوض استین گھڑی ایجاد کی ہے، وہ کف میں بن کی جگہ لگائی جاتی ہے، اگرچہ وہ بہت چھوٹی چیز ہے لیکن وقت نہایت صحت کیساتھ دیتی ہے،

ٹائپ رائٹر اور نقاشی، ازگرم کی مجلس بلدیہ کے ہائی اسکول کے مدرس تجارتی

ٹائپ رائٹر کے ذریعہ تصویر بنا کر اپنی مہارت تمام کا ثبوت دیا، حال ہی میں ادنیٰ کی طرح کی بنائی ہوئی سٹرنگ اور بنگالی شاعر رابندر ناتھ ٹیگور کی تصاویر رسائل نے شائع کی ہے ان کا نام سٹرایم وی مبارک ہے، اسی طرح ایک بنگالی نوجوان بابو گوپی ناتھ گھوش نے بھی ٹائپ رائٹر کے ذریعہ تصویر بنانے میں کامیابی حاصل کی ہے،

ارتقاء لاسکی کا ایک اور قدم، اس وقت لاسکی طریقہ سے تار، ٹیلیفون، تصویر کشی، دستخط وغیرہ کی ایجاد تو ایک واقعی حقیقت ہو چکی ہے، چنانچہ امریکہ و انگلستان سے لاسکی ٹیلیفون پر گفتگو ہوتی ہے، تصاویر لیجاتی ہیں، مگر اب بعض علماء کبریات نے دعویٰ کیا ہے کہ وہ اسی سلسلہ میں ایسے آلات ایجاد کرنے میں عنقریب کامیاب ہونے والے ہیں، جسکے ذریعہ ایک بولنے والا دوسرے کو دیکھ بھی سکیگا اس طرح ہندوستان کا ایک مجمع پارلیمنٹ کی تقریریں نہیں سنے گا بلکہ اس کے ارکان اور مقررین کی ادا و حرکت کو بھی دیکھ سکے گا،

امریکن پولیس کا تیار حربہ، اس وقت تک پولس کے سپاہی کو قیام امن و امان کے لئے ڈنڈا بند و قون، اور پستولوں سے کام لینا پڑتا تھا، جسے اکثر جانوں کے تلف ہونے کا افسوس ناک نتیجہ پیدا ہوتا تھا، اس لیے اب ان خیر دن کی جگہ ان کو ایک چھوٹا سا کبس اور بم دیا جاتا ہے، اس کبس میں ایک قسم کی گیس ہوتی ہے، جسکے ذریعہ ایک مجمع کو کچھ دیر کے لیے بے بصیر کر دیا جاسکتا ہے، اسی طرح ایک فائوٹین پن بھی ایجاد ہوا ہے جس کے اندر اسی قسم کی گیس بھری رہتی ہے اور چور اور ڈاکو کو اس کے ذریعہ مدح و اس کر کے فوراً گرفتار کر لیا جاسکتا ہے، اسی قسم کی ایک چھوٹی سی بند و ق بھی بنائی گئی ہے، جس کے ذریعہ وہی گیس مجمع پر چھوڑی جاسکتی ہے، اس بند و ق سے ایک مرتبہ میں ۲ ہزار کے مجمع کو

بے دست و پا بنادیا جاسکتا ہے۔

ہندوستان اور موٹر کے اخراجات، دنیا کے دوسرے ملک کی طرح ہندوستان میں بھی موٹر کی عام کثرت ہوتی جا رہی ہے۔ گزشتہ تین سال کے صرف سات سات مینوں یعنی پہلی اپریل سے ۳۱ اکتوبر تک جتنی موٹریں آئی ہیں انکی قیمت سے معلوم ہوگا کہ غریب ہندوستان کا کتنا دیر صرف موٹر کی خریداری کے تندر ہو رہا ہے۔

۱۹۲۴ء ۱۲۱۱۰۴۵۵ روپیہ

۱۹۲۵ء ۱۳۰۱۸۴۴۰ " " " " " " " " " " " "

۱۹۲۶ء ۱۵۲۳۶۲۹۵ " " " " " " " " " " " "

یہ موٹرین ریاستہائے متحدہ امریکہ، کناڈا، برطانیہ، بلجیم، فرانس، اطالیہ وغیرہ سے آئی ہیں، لیکن اولیت کا درجہ امریکہ کو حاصل ہے، ان موٹروں میں سے ۳۰ فیصدی بنگال میں، ۲۹ فیصدی بمبئی میں، ۱۵ فیصدی دہلی میں، ۱۵ فیصدی اور بنگال میں فیصدی کا خریدار ہے۔

اسی کے ساتھ ان تین برسوں کی موٹر سائیکلوں کی جو ہندوستان آئیں قیمت معلوم کر لیجئے،

۱۹۲۴ء ۵۴۱۷۴۱ روپیہ

۱۹۲۵ء ۶۶۷۱۰۸ " " " " " " " " " " " "

۱۹۲۶ء ۶۰۷۶۲۳ " " " " " " " " " " " "

ان تین برسوں میں صرف ان دو چیزوں کی خریداری کی بدولت مفلس ملک کا ۸۲۱۶۲۲ روپیہ باہر چلا گیا، معلوم ہوتا ہے کہ جب اس ملک کے امرا کو اسکی صنعت و حرفت کی طرف توجہ ہوگی، برطانیہ میں بیکاری بڑھ رہی ہے، برطانیہ اور سرمایہ دار جماعت دونوں برطانوی صنعتوں کی

ترویج و توسیع میں انتہائی کوشش کر رہی ہیں لیکن اس کے باوجود وہ ان بیکاروں کی تعداد ہمارے برابر ہی ہے۔ چنانچہ گزشتہ ماہ میں انکی تعداد ۱۲۹۵۸۰۰ تھی، یہ تعداد اپنے ایک ہفتہ ماقبل کی تعداد ۱۱۴۴۷۵۳ اور ایک سال پہلے کی تعداد ۱۰۹۴۴۰۰۰ زیادہ ہے۔

آلہ جذبات نما کی ایجاد، پروفیسر ایس۔ای۔ل نے رائل انسٹیٹیوٹ کی تقریروں کے سلسلہ میں ایک ایسے آلہ کا تعارف و تجربہ کرایا جو ان مختلف حالتوں کو جو اعصاب میں مختلف جذبات کی بنا پر پیدا ہوتی ہیں صاف ظاہر کرتا ہے۔

پروفیسر ایس۔ای۔ل نے پانی کے پتھاروں میں ہاتھ ڈال کر بیٹھ گیا، یہ پیالے ایک برقی سلسلہ سے متعلق تھے جو اس آلہ سے جو قوت و مقادیر کی پیمائش کا ہے ملا ہوا تھا، یہ آلہ امتحان کے وقت ایک ترازو پر خاص قسم کی روشنی ڈالتا ہے، اس رفیق کار کی عدم واقفیت میں ایک برقی بلب زمین پر ٹپک دیا گیا، ایک سخت دھماکہ ہوا معمول چونک پڑا اور وہ نقطہ نور متحرک ہو گیا، پروفیسر ایس۔ای۔ل کا دعویٰ ہے کہ اس آلہ کے ذریعہ ہر شخص کے راز نہ صرف معلوم کئے جاسکتے ہیں بلکہ ان کا اقرار کرایا جاسکتا ہے۔

ہمازی نیو یورک:۔ کچھ عرصہ سے امریکہ میں ایک انجمن قائم ہوئی ہے، اس نے ایک جامد کی بنا ڈالی ہے جو مقامی ہونے کی بجائے سفری ہے، اس انجمن کا خیال ہے کہ تعلیم صرف کتابوں کے پڑھنے کا نام نہیں، بلکہ اس میں مشاہدات عالم کا ایک بڑا عنصر بھی ہونا چاہیے، چنانچہ اس نے اسی غرض سے ایک بہت بڑا جہاز بنوایا، اس میں دارالافتاء ہے، درس کے کمرے، علمی مجلس ہیں، کتب خانہ ہے، اس جہاز کا نام رینڈم (RINDAM) ہے، یہ جہاز امریکہ سے جاپان، چین، سیام، بھارتی جزائر، ہندوستان، سنگاپور اور سیلون ہوتا ہوا گزشتہ ماہ بمبئی پہنچا تھا، اس وقت اس میں ۶۶ مسافر تھے، طلبہ زمین لرہ کے اور روکیان دونوں ہیں، اور جنگی عمرہ ۲۴ کے درمیان ہے اور ۲۵ ہمازی ہیں، اسی جہاز پر کھیل کا میدان بھی ہے، سب بڑھکر بات یہ ہے کہ خود اسی جہاز پر سے ایک اخبار بھی شائع کیا جاتا ہے،

استیلا

سرود شعر

از

پروفیسر محمد اکبر شیر ملتان گورنمنٹ کالج

"ہمارے دوست اب تک جدید ایرانی شاعر تھے لیکن وہ اب اس رنگ کو فارسی سے اردو میں منتقل کر رہے ہیں اور یہ کلام اس کا پہلا نمونہ ہے، موصوفت کے فارسی کلام کا مجموعہ "ماہ نو" کے نام سے زیر طبع ہے"

"معارف"

بلبل آسمان ہوں میں نغمہ جادو دان ہوں میں مہر ہوں کہکشان ہوں میں تیغ جہانستان ہوں میں
حسن کارا زو دان ہوں میں عشق کی داستان ہوں میں زندگی عیان ہوں میں زندگی نہان ہوں میں
بلبل آسمان ہوں میں نغمہ جادو دان ہوں میں

بستی کو ہسار ہوں 'مستی جو برباد ہوں سینہ راز دار ہوں دیدہ غمگین ہوں
پیکر وفا شعار ہوں خنجر آبدار ہوں آتش کارزار ہوں موسمِ نو بہار ہوں
بلبل آسمان ہوں میں نغمہ جادو دان ہوں میں

حسن ہے میری آرزو عشق ہے میری آبرو آئینہ سا ہے زندگی دیدہ دل کے روبرو
بزمِ جہان میں کو کجگو باغِ باغ جو بجو رہتی ہے اسکی جستجو رہتی ہے اس کی گفتگو

بلبل آسمان ہوں میں نغمہ جادو دان ہوں میں

بارگی خیال ہوں سادگی غزال ہوں آئینہ جمال ہوں آئینہ جلال ہوں

حسن ہوں خطا و غلطی ہوں عشق ہوں ذوق و حال ہوں انجمن و مجال ہوں دولت و احوال ہوں
بلبل آسمان ہوں میں نغمہ جادو دان ہوں میں

میں ہوں جہانِ دلبری میں ہوں نشانِ سردی بگری و مصواری حور و فرشتہ و پری
اختر چرخِ چنبری جلوہ ہر خاوری آئینہ سکندری معجزہ پیرمی
بلبل آسمان ہوں میں نغمہ جادو دان ہوں میں

میری نگہ پر ہے عیان بزمِ مکان و لامکان فرش و نقائے خاکدان عرش و بساط آسمان
قوموں کا ہوں میں آزدان قوموں کا ہوں میں پاسا میں ہوں در آکاروان میں ہوں نوادہ جادو دان
بلبل آسمان ہوں میں نغمہ جادو دان ہوں میں

جلوہ ہوں نور ذات کا آئینہ ہوں صفات کا عکس ہوں شش جہات کا نقشہ ہوں کائنات کا
تکدہ مات کا کشمکشِ حیات کا باغ کے پات پات کا بزم کی بات بات کا
بلبل آسمان ہوں میں نغمہ جادو دان ہوں میں

میسکدہ وجود ہوں جلوہ گر شہود ہوں بارگہ درود ہوں بارگہ سجدہ ہوں
حسن کا تار و پود ہوں شعلہ ہست و بود ہوں دندگی کی نمود ہوں زندگی کا سرود ہوں
بلبل آسمان ہوں میں نغمہ جادو دان ہوں میں

ڈھونڈے ہر تیری سادگی نقش و نگار زندگی دیکھ کہ ہوں میں سرسبز آئینہ دار زندگی
میرے نفس کی آگ ہے جنبشِ تار زندگی میں ہوں شرار زندگی میں ہوں بہار زندگی
بلبل آسمان ہوں میں نغمہ جادو دان ہوں میں

کہتے ہیں لوگ زندگی ایک عجیب خواب ہے کوئی کہے سراب ہے کوئی کہے حباب ہے
میں کہوں آفتاب ہے جامِ شراب ناب ہے جوئے روانِ آب ہے پیکرِ انقلاب ہے

بلبل آسمان ہوں میں نغمہ جادو دان ہوں میں

زندگی ایک جنگ ہے عرصہ نام رنگ ہے نوکے راہ سنگ ہے تیرا دمار و تنگ ہے
میں کہوں آپ گنگ سے جلوہ رنگ رنگ ہے مرد کو خود جنگ ہے بزدل کو ہنگ ہے

بلبل آسمان ہوں میں نغمہ جادو دان ہوں میں

میں ہوں پیام زندگی تو ہے قیام زندگی میں ہوں حشام زندگی تو ہے پیام زندگی
پی سچے جام زندگی دیکھ خرام زندگی حسن تمام زندگی نور ددام زندگی

بلبل آسمان ہوں میں نغمہ جادو دان ہوں میں

عارف بزم راز ہو زندگی کی نسا زہو صن ہو جان نواز ہو عشق ہو جان گداز ہو
تازہ ہو یار نیا زہو غزنوی ہو ایاز ہو قلب نوا طراز ہو دیدہ پاکباز ہو

بلبل آسمان ہوں میں نغمہ جادو دان ہوں میں

حسرت موہانی

از جناب علیل صاحب قدوائی بی اے (علیگ)

اس سرودی کے دنوں میں حسرت موہانی صاحب کی یاد تھج انگیز ہے شاید اسی سے حضرت حسرت
میں نئی گرمی پیدا ہو سکے،

معارف

اسے وہ کہ ترے سخن نے کی ہے غمازی سوزش نہانی!

تیری جوئے سخن سے اُبلتا سرچشمہ بادہ جوانی

پتھر مردہ دلوں میں ہے تری خون اور خون میں گرمی ددانی

صحر اکو بنا دیا ہے گلزار اندری تری خون نشانی

تو مرثیاس عاشقی ہے، ہے درد بھری تری کہانی

ہر نقش میں زخم دل ہویدا اندری سوزش نہانی

نغمہ ن میں بھی اک تڑپ پیدا اندری تراغم نہانی

ترے ہر شعر میں ہے پنہان پیغام حیات جادوانی

نالوں میں ترے نہ کیوں آرزو ہے داغ جگر کی یہ نشانی

تیری رنگینیوں میں پنہان اندازِ نظری دفتاری

تیری صنایعوں کے آگے وہیم باطل ہے نقش مائی

اس ملک سخن میں تو ہے یکتا اردو میں ہے کون تیرا ثانی؟

اس دل کو ترے سخن کی گرمی ہے ماحصلِ حیات فانی

اربابِ کمال میں تری تسدور افسوس یہ کہ کم نے جانی

نا قدر شناس ہند میں کون ستارے درد کی کہانی

بے حس ہے ابھی فضا ئے اردو ہوگی کبھی تری قدردانی

تو خلد برین کا میہمان ہے ہوگی وہیں تری میہمانی

— — — — —

کیون چپ ہے تو بہت دنوں اسے طوطی گلشنِ معانی!

پھر روح کو محسوس کر دے پھر چھپر کوئی نئی کسان

ہو جائیں ولوں سے دور مدد سے

خاموش فضا میں بھر دے نغمے!

قطعة تاریخ وفات شاد عظیم آبادی

از حضرت آستان شاد آبادی تعلم نو کا بج پستہ

آستان صاحب نے یہ شعر کا طویل قطعہ رشید کی صورت میں اس واقعہ پر لکھ کر ہم کو بھیجا ہے جس کے لئے
افسوس ہے کہ معارف کے صفحات میں گنجائش نہ تھی، مگر تاریخ کا مادہ آستان صاحب کو ایسا بھلا
ہاتھ آیا ہے کہ ہم ناظرین معارف کو اس سے محروم نہیں کر سکتے۔

ہاں دنیا سے چل بے افسوس خان بہادر علی محمد شاد
حق بجانب ہو کر ہوا اس غم میں ایک نام سرا عظیم آباد
بلکہ سارا بہار ہے محزون کہ یہ ہے اک بہت بڑی فائد

ہے جو آستان تجھے بھی شاد کا غم

فقرۂ سال فوت لکھ غم شادی

۳۳۳

نفسیات ترغیب

مستقلہ

پروفیسر بلج الدین صاحب اورنگ آباد دکن

کسی انسان کو کسی کام یا چیز یا تحریر کیلئے ہم کو نہ کرنا مارہ کر سکتے ہیں اور اسکو ترغیب اور شوق دلا سکتے ہیں اسکی نفسیات کی
محول کیا ہیں اس کتاب میں انھیں اصول کی تشریح ہے تجارت، اشتہارات اور تقریر و خطاب میں ہر جگہ ان اصول کی روشنی میں ضرورت
اسکی تجارت کے مشتمل ہیں، و افہام میں اور دیکھا سب کو اس کتاب کی ضرورت ہے قیمت عام

بَابُ التَّقَاتِ فِي الْأَطْرَافِ

نبراس الساری فی اطراف البخاری

حدیث نبوی کی کتابوں میں جامع بخاری کا جو درجہ ہے وہ قرآن پاک کے بعد کسی اسلامی کتاب
کو حاصل نہیں ہے، صحاح ستہ کی ہر کتاب اپنا ایک خاص موضوع رکھتی ہے، جامع بخاری کا موضوع یہ
بتانا ہے کہ ہر حدیث اپنے اندر مختلف احکام، اصول، نکات، اور عملی پیغام رکھتی ہے، اسلئے امام صاحب کے
اکثر و بیشتر ایک حدیث کے مختلف اطراف و اجزاء کو متعدد ابواب میں یکجہ دینا پڑا ہے، اس سے دشواری
یہ پیدا ہوتی ہے کہ جن لوگوں کو حدیث کی ہر روایت پر اور اس کے ہر جز پر یکجا غور کرنے کی ضرورت ہوتی ہے،
ان کے لئے بخاری شریف کا سرسری مطالعہ کافی نہیں ہو سکتا، اور ایک ایک حدیث کے تمام طرق روایت
اور اجزاء کے یکجا کرنے میں گھنٹوں بلکہ دنوں لگ جاتے ہیں،

اس لیے ہر زمانہ میں اسکی ضرورت محسوس کی گئی ہے کہ بخاری کے اطراف مستقل تصنیفیں ہوں لیکن

قد مارنے بخاری و مسلم دونوں کی اطراف اصحیحین ایک ساتھ لکھیں، حافظ ابو سعید دمشقی، حافظ ابن حمدون
واسطی، حافظ ابو نعیم اصفہانی، اور حافظ ابن حجر عسقلانی نے صحیحین کی اطراف لکھی تھیں، مگر اول تو یہ کتابیں خود
ناپید و نایاب ہیں، دوسرے یہ کہ وہ مستقل بخاری کی اطراف نہیں اس کی کو ہمارے عہد کے ایک عالم
جناب مولانا ابو سعید محمد عبد الغزیز صاحب خطیب جامع مسجد بکرا نوالہ (پنجاب) نے پورا کیا ہے، اور
نبراس الساری فی اطراف البخاری لکھ کر طالبان حدیث کی ایک اہم ضرورت کا علاج کیا ہے، یعنی صحیح
بخاری کی ہر روایت کے تمام طرق کو خاص ترتیب کیساتھ یکجا کر دیا ہے جس سے گھنٹوں اور دنوں کا

کام متون میں انجام پانے لگا، اس زمانہ میں جبکہ اس قسم کی محنت اور کاوش کا کام شاذ و نادر ہی ہوتا ہے، مولائے مدوح کی یہ محنت اور جانکاهی ہر طرح قابل داد اور تمام اہل علم کے شکر و تحسین کی مستحق ہے۔ ہم نے اس کا مطالعہ کیا ہے اور جابجا سے اس کے حوالوں کو ملایا بھی ہے، کہیں سے کوئی اختلاف نہیں ملا، کتاب کے شروع میں صفحہ ۱۰ کے اندر جناب مصنف نے اپنا اصول بھی بتا دیا ہے، اور انھیں اصول کو اس اثنبار میں بھی دہرایا ہے جو اس کتاب کے ساتھ ہم کو ملا ہے، سرسری طور پر ان اصول کا ذکر دینا ضروری ہے۔

۱۔ بخاری میں جس قدر حدیثیں اس قسم کی ہیں جو مفہوم کے اعتبار سے واحد ہیں، یا ایک حدیث دوسری حدیث کا شطر (نکڑا) یا طرف (جزء) ہے اور اس کا راوی ایک ہی صحابی ہے تو ان سب کو ایک حدیث قرار دیکر اس باب کے تحت درج کیا ہے جہاں سب سے پہلے وہ حدیث وارد ہوئی ہے، پھر اسی موقع پر یہ بھی بتا دیا کہ فلان فلان ابواب میں یہ حدیث ہے، اور اس کے ساتھ ساتھ بخاری شریف (غالباً مصحح مولانا احمد علی صاحب محدث سہارنپوری) اور فتح الباری اور عینی کے صفحات کا حوالہ بھی دیا ہے، پھر جہاں جہاں اس حدیث پر دوبارہ گزرنا پڑا ہے وہاں بتا دیا ہے کہ فلان موقع پر اس حدیث کا حوالہ گزر چکا۔

۲۔ مختلف علامات کے ذریعہ سے انھوں نے ہر حدیث کے طریق روایت کی طرف بھی اشارہ کیا ہے، ہر دو طریق کے روایت ایک جہاں تو حدیث کی شے اول کے علاوہ سارے روایت ایک جہاں تو حدیث صرف صحابی پر اتفاق ہو تو حدیث صحابی اور تابعی پر اتفاق ہو تو حدیث اور اس سے نیچے ہر ترتیب سے کی علامتیں مقرر ہیں،

۳۔ جن تعلیقات کو دوسرے مقامات پر امام صاحب نے موصول بیان کیا ہے، ان کے متعلق ایسے ہی مقام کا حوالہ دیا ہے جس کے الفاظ متعلق حدیث کے الفاظ سے زیادہ موافق ہیں،

۴۔ جہاں کہیں متابعات کے موافق کا ذکر ضروری سمجھا ہے وہاں ان کا بھی ذکر کر دیا،

۵۔ کسی حدیث کے حوالہ یا متبع میں جہاں کہیں اگر تشریح سے کچھ تفسیریں ہوئی ہیں، ان دن کو بھی

بتایا گیا جو اس کے علاوہ اور بھی ضروری اشارات ہیں جن سے طالب حدیث کو بہت کچھ فوائد حاصل ہو سکتے ہیں طباعت اور کتابت کے لحاظ سے بھی یہ کتاب قابل قدر ہے، شاذ و نادر مواقع پر تصحیح اور کتابت کی غلطیاں بھی رہ گئی ہیں، لیکن جناب مصنف نے خود قلم سے ان مواقع کی اصلاح کر دی ہے، صفحہ ۱۸۹ سطر ۷ کے متعلق انھوں نے خود ہی یہ اطلاع بھی کر دی ہے کہ (وقد اشترطنا) کی بجائے (لان عمر وقت) پڑھنا چاہیے اب تک ہمارے سامنے ہزار اس الساری کا پہلا جھٹہ ہے جس میں آغاز کتاب باب بدر الدجی سے لیکر باب ایتان الیہود والنبی صلی اللہ علیہ وسلم قدم المدینہ تک کی حدیثوں کا پتہ بتایا گیا ہے، اس حصہ کی قیمت ۱۰ روپے ہے، دوسرا حصہ ابھی پریس سے باہر نہیں آیا ہے، اس کی صحیح قیمت نہیں معلوم لیکن پہلی جلد کے انداز پر کہا جاسکتا ہے کہ اس کی قیمت بھی ۱۰ روپے ہوگی، با این ہمہ جو اصحاب اس پہلی جلد کی قیمت کے ساتھ عہدہ اور بھیج دیں دوسری جلد اسی قیمت پر ان کو مل جائے گی، دوسری جلد کے خریدار کیساتھ ایک رعایت یہ بھی لگائی ہے کہ جو لوگ بھی اس سے اطلاع دیدینگے کہ چھپ جانے کے بعد ان کے نام وہ بھیج دی جائے ان سے ۸ روپے اس وقت کی قیمت سے کم لیا جائے گا،

آخر میں ایک بات ہم کو جناب مصنف سے یہ عرض کرنی ہے، کہ دوسری جلد کے ساتھ، فہرست ابواب اور غلطنامہ بھی ضروری ہے، امید یہ ہے کہ ذی علم طبقہ میں یہ کتاب نہایت قدر کی نگاہ سے دیکھی جائے گی جناب مولانا انور شاہ صاحب مدرس اول دارالعلوم دیوبند نے اس پر اردو میں تقریظ لکھی ہے، اور وہ اخبارات میں چھپ گئی ہے، پتہ: جناب مولانا عبدالعزیز صاحب خطیب جامع مسجد گجراتوالہ

تسم عرفان

ایک زمانہ تھا کہ اردو شاعری صوفیائے کرام کی حقیقت آشنا نوانجمنوں سے معمور تھی، خواجہ درویش مرزا منظر، میراثر شاہ گلشن، شاہ نیاز وغیرہ عارفانہ کلام سے ہماری زبان فیوض و برکات اور حقائق

و معارف سے مالا مال ہو رہی تھی، پھر کچھ ایسا انقلاب آیا کہ یہ صرف "حسن رنگداز" اور عشق سربراہ ہے کے عیاشیہ جذبات کے لیے رہ گئی، اور اس پورے دور میں حضرت اُسی کے سوا کوئی دوسرا عاشق و مہمانِ بانیان میں پیدا نہ ہوا۔
 ادھر چند برسوں میں متعدد نوجوان شہزادے بھرے ہیں، جنکی زبان سے بھی کبھی کبھی دانستہ یا نادانستہ معرفت و حقیقت کے ترانے بلند ہوتے ہیں، مگر افسوس ہے کہ وہ ان کا قال ہو، حال نہیں، وہ سنی سنائی باتیں ہیں، جانی بوجھی حقیقتیں نہیں، ایلے وہ اس اثر اور اخلاص سے خالی ہیں، جو ایک صاحبِ باطن کے کمال کا شیوہ ہے،

ابھی حیدرآباد سے ایک بزرگ کا مختصر مجموعہ کلام موصول ہوا جس کا نام نسیم عرفان ہے، معلوم ہوا کہ اسی دنیا ان پر کثیف ہستیوں سے خالی نہیں، بات یہ ہے کہ یہ مقدس ہستیاں، انہائے زمانہ کے ذرائعِ شہرت سے نفور ہیں اور پرانا ذوق اور عشقِ کمال مفقود ہے، جسکی بنا پر یہ خزانہ کسی گوشہ میں بھی چھپکر مخفی نہیں رہ سکتا تھا۔
 یہ جناب مولانا عبدالقدیر صاحب متخلص بہ حسرت صدر شعبہ دینیات جامعہ عثمانیہ حیدرآباد دکن کی چند اردو اور بعض فارسی غزلوں کا مجموعہ ہے، مولانا فاطمہ فیض و کمال کے ساتھ سر مست بادہ عرفان بھی ہیں، وہ ایک شاعر زبان ہونے کے ساتھ صوفی دل بھی ہیں، ان کا قال ان کا حال ہے، گو یہ مجموعہ نہایت مختصر ہے یعنی صرف ۳۳ صفحات پر مشتمل ہے، جن میں ۱۶ غزلیں ہیں، ان غزلوں کی زبان میں ممکن ہے کہ وہ شاعرانہ نکتہ پروری نہ ہو، جو دہلی اور لکھنؤ کی سرزمین کے لیے خاص ہے، نیز وہ شاعرانہ گرفت اور حوت گیری سے بھی گور پاک ہو، اور کہیں کہیں خیالات کی بلندی کی بنا پر بڑے بڑے مغلطی لفظ ملتے ہوں تاہم خیالات کے عمق، جذبات کی بلندی، ادا و تعبیر کی شگفتگی، اور سب سے بڑی چیز ذاتی عالیت اور کیفیت اس میں پائی جاتی ہے، نوذ یہ ہے،

ساقی میں تیرے دستِ گرم پر نثار ہوں اک جام اور دے میں ابھی ہوشیار ہوں
 بے بود ہے نمود، عدم ہے مراد جو د میں چشم اعتبار میں، محض اعتبار ہوں

مقصود مراد ہی ہے، جو مطلب ہے یا رکھ میں اپنے اختیار میں بے اختیار ہوں
 دریا پکارتا ہے ادھر دیکھ اے حجاب تیرے لیے میں تیری طرح بقیہ ہوں
 اس بخود ہی نے کھیل بگاڑا مگر تمام اے شوق وصل تجھ سے بہت شہساز ہوں

نمودِ جنبشِ نوکِ قلم میں ساری تحریریں عوالم کیا ہیں، علم ذات کی ہیں ساری تفسیریں
 تماشا گاہ ہے عالم کسی استادِ کامل کا یہ ہم تم کیا ہیں گو یا سینما کی چند تصویریں
 خدا پر چھوڑ اپنے نیک و بد کو سب میں لا حاصل نہ کام آئیگی تدبیریں، نہ تقریریں نہ تحریریں

مری بلدی کی نمود ہے، حقیقت اور مجاز میں میں دکھا کے لاکھوں نمائشیں ہوں ہنوز پردہ راز میں
 نہ شراب میں وہ مزا ملا، نہ کباب میں وہ مزا ملا بخدا ملا جو مجھے مزا، مرے دل کے سوز و گداز میں
 تو کمال حسن سے سرفراز، مجھے تیرے عشق سے امتیاز نہ تیری نظیر ہے ناز میں، نہ میری نظیر ناز میں
 نہ ملین وہ محفلِ قدس میں، نہ بلا میں منزلِ انس میں کہیں چلتے پھرتے نظر پرین وہ مجھے بھی راہِ مجاز میں
 جو نہ ہو اسی کی نمود ہو، نہ نمود اصل وجود ہو کوئی کیا بتائے کمال ہے، جو خیال شعبہ باز میں
 ترے در و دل کی کہیں دوا، نہ ملے گی حسرت بنو تو تڑپ تڑپ کے تمام ہوں ہی ناہائے گداز میں

میں دفن میرے ساتھ مے دل کی حسرتیں شکر خدا کہ قبر میں تنہا نہیں ہوں میں
 کانون میں بس گئی ہے اک آوازِ دلنشیں مدت ہوئی مگر اداسے بھولا نہیں ہوں میں

تقطیع متوسط، لکھائی چھپائی خاصی، قیمت ۱۰ روپے، عبدالحق اینڈ برادرانگریزی دواخانہ چاندی گھاٹ آباد کن
 لے معارف: سب سے بڑے دل کا محاورہ غالب کے "مری اوقات سے کی طرح معافی کے قابل کر لے، روزِ نکاح دیندہ کے مدیران کا موقوفہ سکون پڑ

کتاب سیرۃ الحسن

سیرۃ الحسن، یہ جناب مولوی ابوالعطاء صاحب انجمن کی تالیف ہے جس میں انہوں نے حضرت امام حسن علیہ السلام کے مبارک سوانح حیات عقیدہ کے ہیں۔ رسالہ کی صفحات ۲۰ صفحات کی ہے، ان میں امام ممدوح کے تمام حالات مختلف مزاوے تحت بیان کیے ہیں لیکن افسوس ہے کہ واقعات کی صحت میں بعض مقامات پر زیادہ چھان بین سے کام نہیں لیا گیا مثلاً ابن جهم کے قتل کا واقعہ یوں لکھا گیا ہے: "حضرت حسن نے چاہا کہ قتل نہ کیا جائے بلکہ دیس نکالا دیا" (۱) جہاں چنانچہ یہی حکم دیکر سپاہیوں کے حوالہ کر دیا، مگر راستہ میں جناب حسین، جعفر اور ایک اور حضرت ملگے جھینے نے ابن جهم کو سپاہیوں سے چھین لیا، اور چٹائی کے ٹکڑے اور لاکڑے پہلے ابن جهم کے ایک ایک اعضا (۲) کو جس کے جسم سے کاٹ کر علیحدہ کیا، ہر ایک عضو کے لئے پردہ آیت قرآنی پڑھتا اور وہ اُٹ نہ کرتا، یہاں تک کہ جب زبان پر دست درازی (۳) کی تب وہ رو دیا۔ آخر کار ابن جهم پر چٹائی کے ٹکڑے اور تیل ڈال کر آگ لگا دی گئی اور وہ ذرا دیر میں جل کر خاکستر ہو گیا، حالانکہ ابن اثیر اور ہری وغیرہ کا متفقہ بیان ہے کہ وہ حضرت حسن کے حکم سے قتل کر دیا گیا، اسلئے یہ تفصیلات تاثر مزخرفات ہیں؟ البتہ یہ صحیح ہے کہ قتل کے بعد عوام نے بوش غضب میں اسکی لاش چٹائی میں لپیٹ کر جلادی تھی، رسالہ کا کاغذ اور لکھائی چھپائی اچھی ہے، قیمت مع حصول ڈاک ۵ روپے۔ مرزا اعطاء الرحمن، پنجوری زیر مر کتناہیل بینک دہلی،

تحريم الزنا، جناب مولانا خطیب عبدالقیوم صاحب میلو شامی نے ایک مختصر رسالہ "تحريم الزنا" میں جرم زنا کی اہمیت، قرآن و حدیث سے اسکی حرمت، اس کے تباہ کن نتائج و عواقب، حدود شرعی، اور اخلاقی و فنی نقطہ نظر سے اس کے مضر اثرات پر نہایت حسن و خوبی سے بحث کی ہے، حجم ۳۲ صفحے، کاغذ اور لکھائی چھپائی معمولی ہے، جناب مولانا شامی نے اسے شائع کیا، مداس کے پتہ سے ۲ روپے، مر کتناہیل بینک دہلی،

انا بشر، مسلمانوں میں ایک ایسا طبقہ موجود ہے جو قرآن پاک اور حدیث شریف کی واضح تصریحات کے باوجود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو بشر کہنا ایک معصیت کبیرہ تصور کرتا ہے، اسی جماعت کو پیش نظر رکھ کر جناب مولوی سید عبد المجید صاحب نے اس مختصر رسالہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بشریت کے متعلق قرآن پاک و حدیث کی تصریحات پیش کی ہیں اور ثابت کیا ہے کہ آپ کو بشر کہنا نہ معصیت ہے، اور نہ سوء ادب ہے، حجم مجموعی تقطیع پر ۲۲ صفحے لکھائی چھپائی اور کاغذ خاصہ ہے، قیمت ۱۲ روپے۔ جناب ناظم صاحب دارالتصنیف کپور تھلہ،

الصرف والنحو، جناب مولانا عظیم سید محمد خلیف صاحب دہلوی کی زندگی کا بیشتر حصہ بچوں کی تعلیم و تدریس میں صرف ہوا ہے، اسلئے ان کو بچوں کے اصول تعلیم میں خاص دست گاہ حاصل ہو گئی ہے، چنانچہ انھوں نے پہلے فارسی صرف و نحو پر ایک نہایت کارآمد اور مفید رسالہ خیر المصا در لکھا جس کے متعدد اڈیشن شائع ہو چکے ہیں، اب اسی انداز پر عربی صرف و نحو پر زیر تبصرہ رسالہ ان کے قلم سے شائع ہوا ہے، جس میں صرف و نحو کے تمام مسائل نہایت استقصاء اور جامعیت سے بچوں کی فطرت کو ملحوظ رکھ کر ایک خاص اسلوب میں لکھا کر دیے گئے ہیں، امید ہے کہ یہ رسالہ بچوں کے لیے مفید ثابت ہوگا، حجم مجموعی ۸۸ صفحے، کاغذ اور کتابت و طباعت عمدہ ہے، قیمت قسم اول ۸ روپے، قسم دوم ۵ روپے۔ جناب منیر صاحب چشمہ کامل دہلی،

سرور عالم، جناب مولوی سید عبد المجید صاحب نے مجالس میلاد میں پڑھنے کے لیے ایک رسالہ "سرور عالم" کے نام سے تالیف کیا، جس میں پہلے بعثت نبوی سے قبل کی دنیا کی مذہبی و اخلاقی حالت بتائی گئی، پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق کتب مقدسہ کی بشارتیں ہیں، اس کے بعد غور قدسی سے وفات تک کے حالات مختصر طور پر بیان کئے گئے ہیں، اس کے بعد شمائل نبوی کا ایک باب ہے اور آخر میں "اسلام کی امتیاز کی خصوصیات" پر مختصر طور پر بحث کی گئی ہے، صفحات ۶۲، کاغذ اور کتابت و طباعت عمدہ ہے، قیمت ۱۲ روپے۔ جناب ناظم صاحب دارالتصنیف کپور تھلہ،

شرح قصیدہ بانٹ سعاد، جناب مولوی ابوالمخازی علی الاعلی صاحب فاروقی جوہر

کتابت شریفہ مطبوعہ عالمی

سیرۃ الحسن، یہ جناب مولوی ابوالعطاء صاحب اجد کی تالیف ہے جس میں انہوں نے حضرت امام حسن علیہ السلام کے مبارک سوانح حیات قلمبند کئے ہیں۔ رسالہ کی ضخامت ۲۰ صفحات کی ہے۔ ان میں امام مہدوح کے تمام حالات مختلف عزائم و سختیوں کے بیان کیے ہیں لیکن افسوس ہے کہ واقعات کی صحت میں بعض مقامات پر زیادہ چھان بین سے کام نہیں لیا گیا مثلاً ابن عجم کے قتل کا واقعہ یوں لکھا گیا ہے "حضرت حسن نے چاہا کہ قتل نہ کیا جائے بلکہ دیس نکالا دیا" (۱) جائے چنانچہ ہی حکم دیکر سپاہیوں کے حوالہ کر دیا، مگر راستہ میں جناب حسین جعفر اور ایک اور حضرت ملے جنہوں نے ابن عجم کو سپاہیوں سے چھین لیا، اہل اور چٹائی کے ٹکڑے اور آگ لاکر سب پہلے ابن عجم کے ایک ایک اعضاء (۲) کو اس کے جسم سے کاٹ کر علیحدہ کیا، ہر ایک عضو کے کٹنے پر وہ آیت قرآنی پڑھا اور وہ اُٹ نہ کرتا، یہاں تک کہ جب زبان پر دست درازی (۳) کی تب وہ رو دیا۔ آخر کار ابن عجم پر چٹائی کے ٹکڑے اور تیل ڈال کر آگ لگا دی گئی اور وہ ذرا دیر میں جل کر خاکستر ہو گیا، حالانکہ ابن اثیر اور ہبری وغیرہ کا متفقہ بیان ہے کہ وہ حضرت حسن کے حکم سے قتل کر دیا گیا، اس لیے یہ تفصیلات تمام تر مخبریات ہیں؛ البتہ یہ صحیح ہے کہ قتل کے بعد عوام نے جو غرض غصب میں انکی لاش چٹائی میں لپیٹ کر جلادی تھی، رسالہ کا کاغذ اور لکھائی چھپائی اچھی ہے، قیمت مع محصول ڈاک ۵ روپے۔ مرزا اعطاء الرحمن، پنجوری زیر مر کتبائیل بینک دہلی۔

تحريم الزنا، جناب مولانا خلیفہ مبداء القیوم صاحب میلو شامی نے ایک مختصر رسالہ "تحريم الزنا" میں جرم زنا کی اہمیت، قرآن وحدیث سے انکی حرمت، اس کے تباہ کن نتائج وعواقب، حدود شرعی، اور اخلاقی دینی نقطہ نظر سے اس کے مضر اثرات پر نہایت حسن و خوبی سے بحث کی ہے، حجم ۳۲ صفحے، کاغذ اور لکھائی چھپائی معمولی ہے، جناب مؤلف سے میلو شامی ضلع شمالی ارکات، مداس کے پتہ سے ۲ روپے، کتب یحیٰی کتب خانہ

انا بشر، مسلمانوں میں ایک ایسا طبقہ موجود ہے جو قرآن پاک اور حدیث شریف کی واضح تصریحات کے باوجود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو بشر کہنا ایک معصیت کبیرہ تصور کرتا ہے، اسی جماعت کو پیش نظر رکھ کر جناب مولوی سید عبد المجید صاحب نے اس مختصر رسالہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بشریت کے متعلق قرآن پاک وحدیث کی تصریحات پیش کی ہیں اور ثابت کیا ہے کہ آپ کو بشر کہنا نہ معصیت ہے، اور نہ سوء ادب ہے، حجم مجموعی تقطیع پر ۳۰ صفحے لکھائی چھپائی اور کاغذ خاصہ ہے، قیمت ۵ روپے۔ جناب ناظم صاحب دارالتصنیف کپور تھلہ۔

الصرف والنحو، جناب مولانا عظیم سید محمد خلیفہ صاحب دہلوی کی زندگی کا بیشتر حصہ بچوں کی تعلیم و تدریس میں صرف ہوا ہے، اس لیے ان کو بچوں کے اصول تعلیم میں خاص دست لگاہ حاصل ہو گئی ہے، چنانچہ انہوں نے پہلے فارسی صرف و نحو پر ایک نہایت کارآمد اور مفید رسالہ خیر المصا ویر لکھا جس کے متعدد اڈیشن شائع ہو چکے ہیں، اب اسی انداز پر عربی صرف و نحو پر زیر تبصرہ رسالہ ان کے قلم سے شائع ہوا ہے، جس میں صرف و نحو کے تمام مسائل نہایت استقصاء اور جامعیت سے بچوں کی فطرت کو ملحوظ رکھ کر ایک خاص اسلوب میں یکجا کر دیے گئے ہیں، امید ہے کہ یہ رسالہ بچوں کے لیے مفید ثابت ہوگا، حجم مجموعی ۸۸ صفحے، کاغذ اور کتبابت و طباعت عمدہ ہے، قیمت قسم اول ۸ روپے، قسم دوم ۵ روپے۔ جناب منیر صاحب چشمہ کامل دہلی۔

سرور عالم، جناب مولوی سید عبد المجید صاحب نے مجاہد میلادین پڑھنے کے لیے ایک رسالہ "سرور عالم" کے نام سے تالیف کیا جس میں پہلے نبوت نبوی سے قبل کی دنیا کی مذہبی و اخلاقی حالت بتائی گئی پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق کتب مقدسہ کی بشارتیں ہیں، اس کے بعد ظہور قدسی سے وفات تک کے حالات مختصر طور پر بیان کئے گئے ہیں، اس کے بعد شمائل نبوی کا ایک باب ہے اور آخر میں "اسلام کی امتیازی خصوصیات" پر مختصر طور پر بحث کی گئی ہے، ضخامت ۶۶ صفحے، کاغذ اور کتبابت و طباعت عمدہ ہے، قیمت ۱۲ روپے۔ جناب ناظم صاحب دارالتصنیف کپور تھلہ۔

شرح قصیدہ بانٹ سعاد، جناب مولوی ابوالخازمی علی الاعلی صاحب فاروقی جونپور

ندوی، المودود شاہ نے عربی کے مشہور شاعر کعب بن زہیر کے اس قصیدہ کا تشریحی ترجمہ کیا ہے جسکو انھوں نے اسلام لانے کے بعد صحابہ کرام کے مجمع میں آنحضرت صلیم کو مخاطب کر کے آپ کی شان میں پڑھا تھا اور اس کا اہل عرب میں اپنے اپنے ردائے مبارک عنایت فرمائی تھی، رسالہ کے شروع میں شاعر کے مختصر حالات زندگی ہیں، قصیدہ اور اس کا ترجمہ شرح ہے جس میں مناسبت کی تفصیل بھی لکھی ہے۔ ترجمہ نہایت فصاحت و سلیس بیان پر درہی، حجم چھوٹی قطع پر ۳۲ صفحے، کتابت و طباعت اور کاغذ خاص ہے قیمت ۶ روپے۔ دائرہ مطبوعات ملیہ جوہنپور، عربی طب، جناب مولوی حکیم شمس الدین احمد صاحب نے مسلم اکاڈمی لکھنؤ کے ایک طلبہ عربیوں کے علم طب پر ایک مختصر خطبہ دیا تھا جس میں عربوں کے علم طب اور یورپ کے اس سے استغناء پر اجالی تبصرہ کیا گیا تھا، مسلم اکاڈمی نے اسی خطبہ کو عربی طب کے نام سے شائع کیا ہے، حجم چھوٹی قطع پر ۳۱ صفحے، کاغذ اور لکھائی، چھپائی اچھی ہے، پتہ: مسلم اکاڈمی لکھنؤ،

سفر حجاز، جناب نادر بادشاہ صاحب مرحوم رئیس و انباری مدراس کے سفر حج کے حالات کو سفر حجاز کے نام سے شائع کیا گیا ہے، ضخامت ۳۱ صفحے، کاغذ اور لکھائی چھپائی خاصی ہے، قیمت ۸ روپے۔ جناب مولوی خطیب محمد عبدالرشید صاحب نمبر، گوڈون اسٹریٹ، مدراس،

ریلوے مسافر، جناب علی احمد صاحب زاہد جیلپوری نے ریلوے ایکٹ میں سے ضروری معلومات کو عام فہم سلیس اردو میں لکھ کر ایک خاص ترتیب کے ساتھ "ریلوے مسافر" کے نام شائع کیا ہے، ریلوے سفر کرنے والے لوگوں کے لیے اس کا مطالعہ بہت مفید ہوگا، حجم چھوٹی قطع پر ۵۵ صفحے، کاغذ اور لکھائی چھپائی معمولی ہے، قیمت ۴ روپے۔ ایس لے احمد انڈیکس جانی جامع مسجد جیلپور (مالک متوسط)

لمعات نور، دسمبر ۱۹۲۵ء کے رسالہ میں اردو شعراء کے نئے اور دلچسپ مجموعہ لمعات نور پر جو تبصرہ لکھا گیا تھا اس میں اسکی قیمت سے لکھی گئی تھی، حالانکہ اسکی اصل قیمت ۵ روپے ہے، پتہ: حافظ قمر الدین انڈسٹریل جرائن کتب

جلد نوزدہم

ماہ شوال ۱۳۷۵ھ مطابق ماہ اپریل ۱۹۵۴ء

عدد چہارم

مضامین

۲۲۲-۲۲۱	سید سلیمان ندوی	نذرات
۲۲۹-۲۲۲	"	مسلمان عورتوں کے حقوق کا مسئلہ
۲۹۱-۲۵۰	جناب سید وقار احمد صاحب بی لے	پہلوی ادب
۲۴۲-۲۶۲	مولانا سید ابو ظفر صاحب ندوی، پروفیسر ہما و دیا احمد آباد	مونیہ گجرات کا پہلا گورنر
۲۸۸-۲۴۳	پروفیسر معتدل الدین الحسن منائیم لے جامعہ عثمانیہ	نفسیات شاخت
۲۹۰-۲۸۵	جناب محمد احمد صاحب بی لے، علیگ	درختوں کا حس و ادراک
۲۹۲-۲۹۱	نواب صدیق خان ملک مولانا حبیب الرحمن خان شیرداز	چند نمایاب کتابیں
۲۹۶-۲۹۴	من و ن	گذشتہ سہ ماہی کی بعض قابل ذکر مضامین
۲۹۸-۲۹۷	ن	ایران میں تعلیمی جدوجہد
۲۹۹-۲۹۸	ن	دائرۃ المعارف یہود
۳۰۱-۲۹۹	تج	سائنس کی روشنی میں ترقیات
۳۰۵-۳۰۲	ن و ن	اجار علمیہ
۳۱۷-۳۰۶	سید نجیب اشرف ندوی ایم لے	انڈیا آفس لائبریری کی اردو کتابوں کی کتابت
۳۲۰-۳۱۸	"	مطبوعات جدیدہ